اجراء حسبِ ارشاد: شیخ الحدیث حضرت مولانا مشرف علی تھانوی قدس سرہ

مواعظ حکیم الامت اور دینی رسائل کی اشاعت کا امین

ماہنامہ الامداد لاہور پاکستان

مدیر مسئول (مولانا) ڈاکٹر احمد میاں تھانوی

مدیر ڈاکٹر خلیل احمد تھانوی

جلد ۲۴ | رجب المرجب ۱۴۴۴ھ | فروری ۲۰۲۳ء | شمارہ ۲

الجلاء للابتلاء

مصیبتوں کا آنا اور ان سے بچنے کا طریقہ (قسط دوم)

ازافادات

حکیم الامۃ مجدد الملۃ حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ

عنوانات وحواشی: ڈاکٹر مولانا خلیل احمد تھانوی

قیمت فی پرچہ = /۵۰ روپے زرسالانہ = /۶۰۰ روپے

ناشر: (مولانا) ڈاکٹر احمد میاں تھانوی
مطبع: ہاشم اینڈ حماد پریس
۲۰/۱۳ ریٹی گن روڈ بلال گنج لاہور
مقام اشاعت
جامعہ دار العلوم الاسلامیہ رجسٹرڈ لاہور پاکستان

ماہنامہ الامداد لاہور
35422213
35433049
پتہ دفتر
جامعہ دار العلوم الاسلامیہ رجسٹرڈ
۲۹۱۔ کامران بلاک علامہ اقبال ٹاؤن لاہور

وعظ

الجلاءللابتلاء

(مصیبتوں کا آنا اوران سے بچنے کا طریقہ) قسط دوم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہٗ و نصلی علی رسولہ الکریم اما بعد!

حکیم الامت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ نے یہ وعظ ۲۶ محرم الحرام ۱۳۳۷ھ بروز جمعۃ المبارک جامع مسجد تھانہ بھون میں دو گھنٹے تک ارشاد فرمایا سامعین کی تعداد تقریباً ایک سو تھی۔عنوان تھا الجلاء للابتلاء جس میں یہ مضمون بیان کیا کہ گناہوں کی کثرت کی بنا پر مصائب آتے ہیں جن کا علاج توبہ استغفار ہے اور توبہ کا طریقہ بھی بتایا کہ مختلف گناہوں سے توبہ کا طریقہ مختلف ہے کہ فوت شدہ نمازوں کو قضاء کریں زکوٰۃ نہ دی ہو تو سابقہ سالوں کی زکوٰۃ دیں جن لوگوں کے حقوق تلف کئے ان کو ادا کریں یا ان سے معاف کرائیں آئندہ نہ کرنے کا پختہ عزم کریں۔ان اعتراضات کا جواب بھی دیا گیا کہ نیک لوگوں پر مصائب کیوں آتے ہیں اور کفار پر کم کیوں آتے ہیں۔جس زمانے میں وعظ کہا گیا اس وقت موسمی بخار پھیلا ہوا تھا حضرت کی بھتیجی کا بھی انتقال ہوا تھا جس کا حضرت کو بہت صدمہ تھا۔۱۳۳۸ھ میں جب یہ وعظ صاف کر کے طباعت کے لیے تیار ہوا اس وقت بھی مسلمانوں کو عام مصائب کا سامنا تھا اور آج کل پاکستان میں بھی مسلمان مصائب میں گرفتار ہیں اس لیے اس وعظ کا پڑھنا اور اس پر عمل کرنا عوام و خواص کو مفید ہوگا۔

اللہ تعالیٰ عمل کی توفیق عطا فرمائیں۔آمین

نوٹ: اس وعظ کی پہلی قسط کا آخری عنوان (دفع مصائب) تھا اور اس دوسری اور آخری قسط کا پہلا عنوان (فضول سوال) ہے۔

خلیل احمد تھانوی

۱۱۔ربیع الاول ۱۴۴۴ھ

فہرست

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ
۱..........	فضول سوال..	۷
۲..........	مشاجرات صحابہؓ کے سوال پر مسکت جواب..........	۸
۳..........	آثار رحمت..	۸
۴..........	رحمت کا اصل مقام................................	۹
۵..........	تصور شیخ کی حقیقت..............................	۱۰
۶..........	حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق....................	۱۱
۷..........	معرکہ عظیم..	۱۳
۸..........	فراق کا غم..	۱۳
۹..........	اشتیاق لقاء..	۱۴
۱۰..........	گوشہ گیری..	۱۶
۱۱..........	حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی خواہش..................	۱۸
۱۲..........	قلوبِ حکام..	۱۸
۱۳..........	بلاؤں کی دوا......................................	۲۰
۱۴..........	وصال حبیب..	۲۱
۱۵..........	عجائب برزخ..	۲۲
۱۶..........	اسرار عشق..	۲۴
۱۷..........	سینہ کی آگ..	۲۵
۱۸..........	علوم عارفین..	۲۵
۱۹..........	درد طلب..	۲۶

۲۰..........	سپردگی کامل..	۲۸
۲۱..........	انداز تربیت..	۲۹
۲۲..........	دستور العمل..	۳۰
۲۳..........	حیات اعلیٰ..	۳۲
۲۴..........	دوام حیات..	۳۳
۲۵..........	استقامت اعمال..	۳۳
۲۶..........	حقیقت استقامت..	۳۶
۲۷..........	حلِ اشکال..	۳۸
۲۸..........	صورت مصیبت..	۳۹
۲۹..........	زیادتی عتاب..	۴۰
۳۰..........	نفع عتاب..	۴۱
۳۱..........	حکمت تنبیہ..	۴۲
۳۲..........	مسلمانوں پر زیادہ مصائب آنے کا راز..............	۴۳
۳۳..........	خلاصہ..	۴۴
۳۴..........	عرض جامع..	۴۶
۳۵..........	اخبار الجامعہ..	۴۸

نوٹ: گزشتہ وعظ کا آخری عنوان (دفع مصائب) تھا

فضول سوال

صاحبو! یہ حالت اور بھی زیادہ خطرناک ہے کہ گناہوں کی سزا دی جاوے اور اس کو سزا نہ سمجھا جاوے بلکہ اس کو ایک تفریح کا مشغلہ بنایا جائے۔ اپنی اصلاح کرو، دنیا بھر کی فہرست گننے سے کیا نفع۔ میرے پاس بھی بعض خطوط اس مضمون کے آتے ہیں کہ یہاں بیماری کا بہت زور ہے۔ آپ کے وطن میں کیا حال ہے تو میں سب کے جواب میں ایک شعر لکھ دیا کرتا ہوں:

ماقصہ اسکندر ودارا نخواندہ ایم از ماں بجز حکایت مہر و وفا مپرس(۱)

کہ ہمیں ان قصوں کی خبر نہیں اور واقعی مجھے بعض دفعہ خبر بھی نہیں ہوتی کہ آج کل بیماری کم ہے یا زیادہ کیونکہ اپنے مشاغل سے ہی فرصت نہیں اس کی تحقیق اور تفتیش کون کرے اس لیے میں لکھ دیتا ہوں کہ بستی کے حالات کسی نامہ نگار سے پوچھو، مجھ سے تو شریعت کی اور خدا کی باتیں دریافت کرو۔ بعض لوگوں کو فضول سوالات کرنے کا مرض ہوتا ہے بھلا ان لوگوں سے کوئی پوچھے کہ تمہیں ساری دنیا کی خبروں سے کیا لینا کہ وہاں بھی بیماری ہے یا نہیں جو تمہارے ذمہ ضروری ہے پہلے اس کو تو انجام مدو۔ میں سچ کہتا ہوں کہ اگر لوگوں کو ضروریات کا اہتما ہو جائے تو ان فضولیات کے لیے وقت ہی نہ ملے۔

مشاجرات صحابہؓ کے سوال پر مسکت جواب

چنانچہ میں نے ابھی یہ قصہ بیان کیا ہے کہ ایک عالم کے پاس ایک شخص حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی نسبت سوال کرنے آیا کہ دونوں میں سے کون حق پر تھے انہوں نے فرمایا: کہ بھائی! میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ

(۱) ”ہم نے سکندر اور دارا کے قصے پڑھے ہوئے ہیں ہم سے سوائے محبت اور وفا کے قصوں کے اور کچھ نہ پوچھو“

قیامت کے دن حق تعالیٰ تم سے اس کی بابت کچھ دریافت نہ فرمائیں گے اور نہ اس پر مواخذہ فرمائیں گے کہ تم نے اس کی تحقیق کیوں نہیں کی کہ ان دونوں میں سے کون حق پر ہے نہ یہ مقدمہ فیصلہ کے لیے تمہارے پاس آئے گا اور اگر بالفرض آئے بھی تو میں تم کو اجازت دیتا ہوں کہ مقدمہ خارج کر دینا اور کہہ دینا کہ مجھے کچھ تحقیق نہیں اور اگر کسی نے وہاں تم سے یہ سوال کیا کہ تم نے تحقیق کیوں نہ کی تو صاف کہہ دینا کہ میں نے علماء سے پوچھا تھا انہوں نے نہیں بتلایا پھر ہم جانیں اور خدا تعالیٰ۔ تم تو یہ کہہ کر چھوٹ جاؤ گے پھر اگر ہم سے سوال ہوا تو ہم جو چاہیں گے جواب دے دیں گے۔ واقعی خوب جواب دیا۔ مجیب کو چاہیے کہ سائل کا تابع نہ ہو بلکہ اس کو اپنا تابع بنائے، اول تو ہر شخص ہر بات کا جواب نہیں سمجھ سکتا، دوسرے جواب دینا اسی بات کا ضروری ہے جس پر کوئی دین کا کام اٹکا ہوا ہو اور جس بات پر دین کا کوئی کام اٹکا ہوا نہیں اس کا جواب دینا وقت کا ضائع کرنا ہے اور وقت ایسی چیز نہیں کہ اس کو اس طرح فضول کھویا جائے۔

آثار رحمت

انسان کو اپنے اندر غور کرنا چاہیے اگر کوئی اپنے اندر غور و فکر کیا کرے تو اس کو معلوم ہو کہ انسان خود ایک عالم ہے۔ ایک پوری اقلیم ہے جس میں کچھ زندہ ہوتے ہیں کچھ مرتے ہیں، کچھ بیمار ہوتے ہیں کچھ تندرست ہیں، کہیں بہار ہے کہیں خزاں ہے۔ غرض ایک عجیب دنیا آپ کے اندر بسی ہوئی ہے جس کے عجائبات کے سامنے اس عالم کے عجائبات ہیچ ہیں اگر ایسا ہی سیر اور تفریح کا شوق ہے تو اپنے دل کی سیر کیجئے۔ ایک صوفی موسم بہار میں جنگل کی سیر کرنے آئے اور سر جھکا کر مراقب بیٹھ گئے۔ ایک شخص نے کہا فَانْظُرْ اِلٰٓى اٰثٰرِ رَحْمَتِ اللّٰهِ اپنی گردن جھکائے کیا بیٹھے ہو، ذرا آنکھیں اوپر اٹھا کر خدا کی قدرت و رحمت کے آثار کا مشاہدہ کرو! ان صوفی نے جواب دیا کہ میں آثار رحمت ہی کو دیکھ رہا ہوں اور جن کو تم آثار رحمت سمجھتے ہو وہ آثار الاثار ہیں، آثار رحمت وہ نہیں ہیں کیونکہ دراصل رحمت کا منشاء ایمان ہے اور غضب کا منشا کفر ہے اور

ایمان وکفر کا تعلق قلب سے ہے۔

رحمت کا اصل مقام

پس اصل مقام رحمت کا قلب ہے پھر مومن کو ایمان کے صلہ میں جنت دی جائے گی جو کہ ایمان کا ثمرہ ہے اور دنیا کی نعمتیں اور لذتیں جنت کا نمونہ ہیں اس لیے ان کو بھی آثار رحمت کہہ دیتے ہیں مگر حقیقت میں وہ آثار الآثار(۱) ہیں اصل آثار رحمت تو باطن میں ہیں جس کو سنائی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

آسمانہا ست در ولایت جاں کار فرمائے آسمان جہاں(۲)

مولانا فرماتے ہیں:

غیب را ابرے و آبے دیگرست آسمانے آفتابے دیگرست(۳)

عالم غیب کا بادل اور پانی دوسرا ہے اس کا آسمان بھی جدا ہے، آفتاب بھی جدا ہے، جب قلب پر سکینہ نازل ہوتا ہے اور انوار وتجلیات چمکتی ہیں اس وقت اس بادل کا اور بارش کا اور آسمان وآفتاب کا مشاہدہ ہوتا ہے۔ ایک دوسرے صاحب فرماتے ہیں:

ستم است اگر ہوست کشد کہ بہ سیر سرو سمن درآ
تو زغنچہ کم نہ دمیدہ و دل کشا چمن درآ(۴)

ایک اور صاحب فرماتے ہیں:

خلوت گزیدہ رابتما شاچہ حاجت است چوں کوئے دوست ہست بصحرا چہ حاجتست(۵)

محبوب کے کوچہ کے ہوتے ہوئے جنگل کی سیر کی کیا ضرورت ہے، خلوت میں بیٹھ کر اس کا تماشا دیکھو، کوئے دوست سے مراد قلب ہے کہ وہ محل نزول انوار الٰہیہ ہے اسی کو کہتے ہیں:

---

(۱) آثار کے بھی آثار ہیں (۲) ''ولایت جان میں بہت سے آسمان ہیں جو ظاہری آسمان میں کارفرما ہیں''
(۳) '' عالم غیب کے لیے ابر اور بادو سرے ہیں اور آسمان اور آفتاب وہاں کے دوسرے ہیں''
(۴) ''تمہارے اندر خود چمن ہے اس کا پھاٹک تمہارے ہاتھ میں ہے جب جی چاہے سیر کرلو'' (۵) ''خلوت نشین کو تماشا کی کیا ضرورت ہے جب محبوب کے کوچہ میں ہے صحرا کی کیا ضرورت ہے''

اے ورائے عقل یک دم با خود آر   دمبدم در تو خزان ست وبہار(۱)

حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ لوگ طائف جاتے ہیں کہ وہاں ذرا سبزا اور سردی ہے مگر طائف میں کیا رکھا ہے ذرا قلب سے زمہریر کی طرف توجہ کرو، سردی معلوم ہونے لگے گی تو طائف آ گیا۔ ذرا قلب سے حرارت کا تصور کرو گرمی معلوم ہونے لگے گی اور یہ کلام حضرت کا تنزل کے طور پر تھا کہ اگر کسی کو ایسا ہی سردی گرمی کا شوق ہو تو سب چیزیں اس کے اندر موجود ہیں ورنہ کیا رکھا ہے زمہریر کے تصور میں جتنی دیر زمہریر کا تصور کیا جائے محبوب کا تصور کیوں نہ کیا جائے۔

تصورِ شیخ کی حقیقت

اسی لیے محققین نے تصورِ شیخ کو بھی منع کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ تصورِ شیخ میں کیا رکھا ہے، ہمہ تن شیخ کے تصور میں مشغول ہونا ان کو غیرت کے خلاف معلوم ہوتا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ ایسا تصور حق تعالیٰ کا حق ہے غیر کی طرف کیوں توجہ کی جائے، اتنی دیر عیوب ہی کا تصور کیوں نہ کیا جائے۔ مولانا محمد اسماعیل صاحب شہیدؒ تصورِ شیخ کے بارے میں فرمایا کرتے تھے۔ ''مَاهٰذِهِ التَّمَاثِيْلُ الَّتِيْٓ اَنْتُمْ لَهَا عٰكِفُوْنَ'' (۲) گویا تصورِ شیخ کو بتوں کے ساتھ تشبیہ دیتے تھے اور وجہ اس کی یہ تھی کہ اول تو عوام اس میں حد سے بڑھنے لگے تھے وہ شیخ کو حاظر و ناظر سمجھنے لگے تھے جو کہ عقیدہ شرک ہے دوسرے بالکل مشابہ مورت (۳) پرستی کی ہے اس لیے آپ نے اس کو بتوں کے ساتھ تشبیہ دی۔ بس محققین کا مسلک یہ ہے کہ از خود تکلف کے ساتھ شیخ کا تصور کرنا نہ چاہیے البتہ شیخ کے ساتھ محبت وعشق کامل ہونا چاہیے۔ جب محبت ہوگی تو بلا تکلف خود بخود اس کا خیال دل پر جم جائے گا تو جس طرح محبوب کا حال خود بخود بار بار دل میں آتا ہے اسی طرح شیخ کا خیال آنے لگے گا، یہ حالت اگر نصیب ہو جائے تو یہ مفتاح طریق ہے (۴) کیونکہ مربی کی محبت سے جلدی کامیابی ہو جاتی ہے اور اگر کسی کو خود بخود یہ حالت پیدا نہ ہو تو کوشش کر کے اس کا

(۱) ''اے عقل سے ماوراء اپنی ذات کے بارے میں سوچ تیرے خود دمبدم بہار اور خزاں ہے'' (۲) الانبیاء: ۵۲ (۳) بت پرستی کے مشابہ ہے (۴) طریق تصوف کی چابی ہے۔

پیدا کرنا اور تکلف کے ساتھ تصور جمانا کچھ ضرور نہیں البتہ بعض دفعہ مگر بہت کم اس کی بھی ضرورت پڑ جاتی ہے جبکہ مرید کی طبیعت پلید ہے(۱) کہ اس کو ترقی نہ ہوتی ہو خیالات پریشان رہتے ہوں، یکسوئی حاصل نہ ہوتی ہو تو اس کے لیے یکسوئی پیدا کرنے کے لیے تصور شیخ کی تعلیم کی جاتی ہے اور وہ بھی صرف اس لیے کہ مبتدی کو ابتداء میں حق تعالیٰ کا تصور آسانی کے ساتھ حاصل نہیں ہوتا کیونکہ ان کو دیکھا نہیں ہے اور شیخ کو چونکہ دیکھا ہے اور اس کے ساتھ محبت بھی ہے اس کا تصور آسانی سے جم جاتا ہے اور اس سے یکسوئی جلدی نصیب ہوجاتی ہے۔ پھر جب یکسوئی قلب کو حاصل ہوجائے گی اس کے بعد پھر اس کا امالہ (۲) تصور حق کی طرف آسان ہوگا اور حق تعالیٰ کے ساتھ یہ حالت ہوجائے گی۔

ہرچہ بینم درجہاں غیر تو نیست یا توئی یا خوئے تو یا بوئے تو(۳)

پس اصل مقصود تو یہی ہے کہ تصور حق میں یکسوئی حاصل ہوجائے اس کے لیے بعض اوقات تصور شیخ تو آلہ بنایا جاتا ہے ورنہ غیر کی طرف توجہ کرنا خود کوئی مقصود نہیں نہ اس پر مقصود موقوف ہے اگر کوئی شخص عمر بھر بھی تصور شیخ نہ کرے اس کو ذرا بھی نقصان نہ ہوگا بلکہ بعض طبائع کو اس سے نقصان ہوتا ہے۔ یہ حقیقت ہے تصور شیخ کی مگر بعد میں لوگوں نے اس میں بہت غلو کردیا کہ اس کو مقصود سمجھنے لگے۔

حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق

چنانچہ اب بھی بعض اہل سلسلہ اس کو ضروری سمجھتے ہیں ان کا خیال ہے کہ بدون رابطہ یعنی تصور شیخ کے مقصود حاصل نہیں ہوسکتا بس جو ان کے یہاں پہنچتا ہے اول اس کو رابطہ کی تعلیم ہوتی ہے یہ نہیں دیکھتے کہ اس کو ضرورت بھی ہے یا نہیں، فہم سلیم بھی ہے یا نہیں، ہرکس وناکس کو اس کی تعلیم کردیتے ہیں جس سے بعض لوگوں میں گمراہی پیدا ہوتی ہے۔ حق تعالیٰ نے بعد میں محققین کو پیدا کیا اور ہر زمانہ میں کوئی محقق ایسا پیدا ہوتا ہے جو طریق کی اصلاح کرتا ہے۔ چنانچہ مولانا رومی نے اپنے زمانہ میں طریق کی بہت

(۱) ناپاک (۲) حق تعالیٰ کے تصور کی طرف پھیر دینا (۳) ''تمام عالم آپ کے صفات کا مظہر ہے ہر چیز کو آپ سے تعلق ہے غیر وجود ہی نہیں آپ کا ظہور ہے''۔

اصلاح کی اور میں تحدثاً بنعمۃ اللہ کہتا ہوں کہ اس اخیر زمانہ میں حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ اپنے زمانہ میں مجدد تھے ہم لوگ ان کے دیکھنے والے تھے اس لیے یہ جو کچھ علوم ہم بیان کرتے ہیں سب حاجی صاحب کا صدقہ ہے۔ یہ بھی حاجی صاحب ہی کے علوم کی برکت ہے کہ ہم ان چیزوں کو کچھ نہیں سمجھتے ورنہ اور لوگ تو اس کو کمالات میں شمار کرتے ہیں۔ حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق ہے کہ تصور شیخ اور وحدت الوجود کا شغل آج کل اکثر طبائع کو مضر ہوتا ہے۔ تصور شیخ میں تو اکثر ناسمجھ اس کو حاضر و ناظر سمجھنے لگتے ہیں اور وحدت الوجود(۱) کے تصور میں جب اس کا انکشاف ہوتا ہے کہ تمام خیر و شر اور مصیبت و راحت حق تعالیٰ کی طرف سے ہے حقیقت میں وجود ایک ہی ہے، دوسری چیزوں کا وجود محض مضمحل اور فانی ہے تو جب اسباب ظاہری سے نظر اٹھ جاتی ہے اور ہر چیز میں بلا واسطہ حق تعالیٰ کا فعل نظر آتا ہے تو اگر حق تعالیٰ کی محبت کم ہو چنانچہ اکثر قلوب میں کم ہے تو اس سے حق تعالیٰ کی جانب سے ناگوار واقعات میں انقباض(۲) پیدا ہوجاتا ہے اور یہ حالت سخت مضر ہے اس لیے حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ محققان حال نے وحدت الوجود کے شغل کو منع فرمادیا ہے اور سچ تو یہ ہے کہ حاجی صاحب اس فن کے امام تھے، ہر چیز کی حقیقت خوب سمجھتے تھے اور اس زمانہ کے قلوب کی کیفیت کا حال اچھی طرح جانتے تھے اس لیے ان چیزوں کو چھوڑ دیا تھا کیونکہ یہ تو محض وسائل ہیں مقصود نہیں۔ اگر ایک وسیلہ مضر ہونے لگے اس کو چھوڑ کر دوسرا طریقہ اختیار کرنا ضروری ہوتا ہے۔ الغرض ان صوفی صاحب نے فرمایا کہ یہ سبزہ اور بہار درحقیقت آثار رحمت نہیں ہیں بلکہ آثار الاثار ہیں، حقیقی آثار رحمت قلب کے اندر ہیں۔ مولانا فرماتے ہیں:

روبر　سلطان　وکاروبار　بیں　حسن　تجری　تحتہا　الانہار　بیں(۳)

یعنی اپنے اندر نظر کرو باغ اور نہریں نظر آئیں گی اور فرماتے ہیں:

ستم است اگر ہوست کشد کہ بسیر سروسمن درآ
توزغنچہ کم نہ دمیدہ در دل کشاں بچمن درآ(۴)

(۱) حقیقی وجود صرف اللہ کا ہے (۲) طبیعت مکدر ہوجاتی ہے (۳) ''بادشاہ کے پاس جاؤ اور کاروبار دیکھو، عمدہ باغ کہ اس کے نیچے نہریں جاری دیکھو'' (۴) ''تمہارے اندر خود چمن ہے اس کا پھاٹک تمہارے ہاتھ میں ہے جب جی چاہیے سیر کرلو''

معرکہ عظیم

موسیٰ و فرعون در ہستی تست

یعنی جیسے ظاہر میں ایک موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کا مقابلہ تھا اسی طرح تمہارے باطن میں بھی ایک موسیٰ (یعنی روح) اور ایک فرعون (یعنی نفس) موجود ہے اور ان دونوں میں جنگ رہتی ہے ان کا تماشا دیکھو! صاحبو تم بھی اس مضمون سے کام لو دنیا بھر کی لڑائیوں کو کیا دیکھتے ہو، ذرا اپنے اندر بھی نظر کرو دیکھو کتنا قتال عظیم (۱) ہو رہا ہے، نفس چاہتا ہے کہ روح کو مغلوب کر دے۔ اس مضمون میں ہمارے حاجی صاحبؒ کا بھی ایک رسالہ ہے جس کا نام جہاد اکبر ہے کمال کر دیا ہے آپ نے باطن میں ایک جنگ قائم کی ہے روح اور نفس کو دو بادشاہ مانا ہے اور ہر ایک لیے ایک ایک وزیر اور لشکر تیار کیا ہے۔ یہ رسالہ نظم میں ہے مگر بہت ہی عجیب ہے کوئی یہ نہ سمجھے کہ محض شاعری مضمون ہے کسی شاعر کی کیا طاقت ہے کہ ایسے مضامین سوچ بھی سکے۔ نہیں اس کا مضمون بالکل سچا مضمون ہے اس سے کام لو، پھر اس کا یہ فائدہ ہوگا کہ جب آپ کو اپنے اندر ایک معرکہ عظیم نظر آئے گا تو دنیا کی لڑایوں اور بیماریوں کے قصوں میں آپ نہ پڑیں گے۔ آپ کو خود اپنی ہی بیماری سے فرصت نہ ہوگی نفس اور روح کی جنگ میں وہ لطف آئے گا کہ روم وروس کی جنگی کہانیوں میں بھی نہ آیا تھا۔

فراق کا غم

غرض اس میں کیا فائدہ کہ یہاں بیماری ہے یا وہاں بیماری ہے آج کتنے مرے کل کتنے مرے بلکہ ان خبروں کی وحشت سے تو بعض آدمی بیمار ہو گئے تو ان باتوں سے کچھ نفع نہیں بلکہ دوسرے معنی میں یہ لوگ چھری مار ہیں کہ ان خبروں سے لوگوں کو پریشان کرتے ہیں حتیٰ کہ بہت سے انہی خبروں سے بیمار بھی ہو جاتے ہیں اس پر شاید کسی کو شبہ ہو کہ یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ بیماری شہر میں ہو اور اس کا تذکرہ نہ ہو نہ مرنے والوں کا

(۱) کیسی زبردست جنگ چھڑی ہوئی ہے۔

حال معلوم کیا جائے یہ تو اس وقت ہوسکتا ہے جب ان واقعات کا خوف نہ ہو نہ غم حالانکہ یہ امور طبعی ہیں پھر جس چیز کا خوف ہوگا اس کا تذکرہ بھی ضرور ہوگا۔ میں کہتا ہوں کہ اہل اللہ کو ایک دوسرا خوف اور غم ایسا ہے جس کی آپ کو ہوا بھی نہیں لگی ان کے دل پر ہر وقت آرے چلتے رہتے ہیں جن کی آپ کو خبر بھی نہیں، پھر ان کو اتنی مہلت کہاں جو وہ ان باتوں میں پڑیں ان کو اس غم سے فرصت ہو تو یہ غم لے کر بیٹھیں:

اے ترا خارے بپا نہ شکستہ کے دانی کہ چیست حال شیرانے کہ شمشیر بلا برسر خورند(۱)

اور اگر آپ کو وہ غم نصیب ہو جائے تو واللہ سارے قصوں سے چھوٹ جاؤ وہ غم کیا ہے فراق محبوب یعنی حق تعالیٰ کی جدائی یہ وہ غم ہے جس نے ان کو موت کا مشتاق بنا دیا ہے پھر ان کو بیماری یا موت سے خوف یا غم کیوں ہوگا کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ اس دنیا میں رہ کر حق تعالیٰ کا دیدار نصیب نہیں ہوسکتا۔ اس عالم میں وہ حق تعالیٰ کو بے حجاب (۲) نہیں دیکھ سکتے اس حجاب کا ان کو وہ صدمہ ہے جس کے سامنے تمام تکالیف ہیچ ہیں اب آپ سمجھے ہوں گے کہ وہ کس قدر رنج و غم میں مبتلا ہیں۔ آپ سمجھتے ہیں کہ وہ بے فکر ہیں مگر ان کے دل کا حال معلوم ہو تب پتہ لگے کہ بے فکر کون ہے اسی کو کہتے ہیں:

گفت مکشوف و برہنہ گو کہ من می نہ گنجم باصنم در پیرہن(۳)

انسان جب تک اس پیکر ہیولانی میں ہے غرض یہاں بے حجاب نہیں ہوسکتا اور وہ جو کہا جاتا ہے۔

اشتیاق لقاء

بے حجابانہ درآ در کاشانہ ما کہ کسے نیست بجز درد تو درخانہ ما(۴)

اس کا یہ مطلب نہیں کہ بالکل بے حجاب ہو کر یہاں دیدار حق کو تمنا کرتے ہیں

(۱) ’’تمہارے پاؤں میں تو کانٹا بھی نہیں لگا، تم ان لوگوں کی حالت کیا سمجھ سکتے ہو جن کے سروں پر بلاومصیبت کی تلوار چل رہی ہے‘‘ (۲) بے پردہ (۳) ’’مشکوف وبرہنہ ہوکر کہنے لگا کہ میں معشوق کے ساتھ لباس میں نہیں سما سکتا‘‘ (۴) ’’ہمارے کاشانہ محبت میں بے حجابانہ آ، اس لیے کہ ہمارے خانہ قلب میں بجز درد ومحبت کے اور کوئی خبر نہیں ہے‘‘

بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ لاکھوں حجابات میں سے کسی قدر حجابات کم ہونے کی وہ تمنا کرتے ہیں ورنہ یہاں بالکل بے حجاب ہونا دشوار ہے اس کی تائید جبرئیل علیہ السلام کے واقعہ سے ہوتی ہے کہ ایک بار جبرئیل علیہ السلام حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے آپ نے ان سے ایک مسئلہ کی تحقیق فرمائی وہ واپس ہوگئے کہ حضرت حق سے تحقیق کرکے بیان کروں گا، دوبارہ آئے تو بہت خوش تھے کہ آج مجھ کو حق تعالیٰ سے جس قدر قرب عطا ہوا کہ اتنا قرب کبھی نصیب نہ ہوا تھا آج صرف ستر ہزار پردے باقی رہ گئے۔ لیجئے! ستر ہزار پردے باقی رہ جانے پر وہ خوش تھے کہ بہت قرب نصیب ہوگیا، پس اسی کو اس شعر میں کہا ہے:

بے حجابانہ درآ از در کاشانہ ما(۱)

یعنی تمنا یہ کرتے ہیں کہ کسی قدر حجابات کم ہوجائیں، یہ مقصود نہیں کہ اس عالم میں بالکل بے حجاب ہونا ممکن ہے بالکل بے حجاب(۲) دیدار تو آخرت ہی میں نصیب ہوگا تو اہل اللہ اور عشاق موت سے نہیں ڈرتے وہ تو اس کے مشتاق اور متمنی(۳) ہوتے ہیں اور موت کی تمنا اشتیاق لقاء اللہ میں جائز ہے بلکہ عین ولایت ہے پھر وہ بے فکر کیونکر ہوسکتے ہیں ان کو تو وہ فکر ہے جس سے موت جیسی چیز کو جس کو آپ تلخ زہر(۴) سمجھتے ہیں ان کے لیے خوشگوار بنادیا ہے۔ عارف شیرازیؒ فرماتے ہیں:

خرم آں روز کزیں منزل ویراں بروم ‏ ‏ ‏ راحت جاں طلبم وزپے جاناں بروم
نذر کردم کہ گر آید بسر ایں غم روزے ‏ ‏ ‏ تادر میکدہ شادان وغزل خواں بروم(۵)

دیکھئے غم حجابات(۶) کے ختم ہونے کے لیے وہ نذریں مانتے ہیں، کہتے ہیں کہ اگر کسی دن یہ غم ختم ہو تو میں نذر کرتا ہوں کہ دربار محبوب کی طرف خوش وخرم غزل

(۱) ”ہمارے کاشانہ محبت میں بےحجابانہ آ“ (۲) آخرت میں اللہ کا دیدار ایسے ہوگا کہ کوئی پردہ درمیان میں حائل نہیں ہوگا (۳) موت کی تمنا اور اس کا شوق رکھتے ہیں (۴) کڑوا زہر (۵) ”وہ دن بہت اچھا ہوگا کہ اس ویرانہ مکان (دنیا) سے جاؤں، جان کو آرام مل جائے اور محبوب کے دیدار کے لیے چلا جاؤں، میں نے یہ نذر کی ہے کہ اگر یہ دن نصیب ہوجائے تو خوش وخرم اور غزل پڑھتا ہوا جاؤں“ (۶) اللہ اور بندے کے درمیان جو پردے حائل ہیں اس کی بنا پر جو غم ہے اس کے ختم ہونے کی دعاء کرتے ہیں۔

پڑھتا ہوا ہوجاؤں گا۔ چنانچہ ایک بزرگ نے مرتے ہوئے وصیت بھی کی ہے کہ ہمارے جنازہ کے ساتھ یہ شعر پڑھے ہوئے چلیں:

مفلسا نیم آمدہ در کوئے تو شیئًا للہ از جمال روئے تو
دست بکشا جانب زنبیل ما آفریں بردست و برباز روئے تو(۱)

وہ قبر کی طرف کیا جاتے ہیں ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے کوئی عید میں جارہا ہو۔ گویا موت کیا آئی تمنائے دلی پوری ہوگئی جیسے ساری عمر اسی کے اشتیاق میں بیٹھے تھے۔ صاحبو! یہ مستیاں اہل اللہ ہی کو سوجھ سکتی ہیں اگر آپ بھی یہ چاہتے ہیں کہ موت آسان ہوجائے اور اس سے وحشت نہ رہے اس کا اشتیاق ہوجائے تو خدا کی محبت اور اطاعت حاصل کیجئے۔ بھلا کسی مجرم کو یہ مستیاں سوجھ سکتی ہیں؟ ہرگز نہیں! ان کو لقاء اللہ کا اشتیاق ہوتا ہے اس لیے ان کو موت خوشگوار ہوگئی تو بدون محبت واطاعت کے یہ بات نصیب نہیں ہوسکتی اکثر طبائع پر تو موت کا خوف ہی غالب ہے اس سے طبعاً وحشت (۲) ہوتی ہے اور اس طبعی وحشت میں کوئی گناہ بھی نہیں مگر اس کی ضرور کوشش کرنی چاہیے کہ یہ طبعی وحشت موت کے وقت نہ رہے اس وقت اشتیاق (۳) کی کیفیت غالب ہوجائے، اس وقت اگر شوق غالب رہا تو موت کی ذرا بھی تکلیف نہ ہوگی۔ غرض اہل اللہ بے فکر نہیں ہیں ان کے دلوں پر فکر وغم کا ایک پہاڑ ہے جس نے ان کو تمام افکار سے جدا کردیا ہے اور دوسرے تعلقات سے گھبراتے ہیں۔

گوشہ گیری

مولانا فرماتے ہیں:

خود چہ جائے جنگ وجدل نیک وبد کیں ولم از صلحہا ہم می رمد

یعنی عداوت اور دشمنی واختلاف سے تو ہر شخص گھبراتا ہی ہے۔ مولانا فرماتے ہیں

(۱) ’’آپ کے دربار میں ہم مفلس ہوکر آئے ہیں، اپنے جمال کے صدقہ میں کچھ عطا کیجئے ہماری زنبیل کی طرف ہاتھ بڑھائیے، آپ کے دست وبازو پر آفریں‘‘ (۲) طبعی گھبراہٹ (۳) اللہ سے ملاقات کا شوق پیدا ہوجائے۔

کہ میرا دل تو صلح سے بھی گھبراتا ہے یعنی اس سے بھی وحشت ہوتی ہے کہ ہمارے احباب اتنے ہیں وہ تو یہ چاہتے ہیں کہ بس دنیا میں اس طرح بسر کر جائیں کہ نہ کوئی ان کو جانتا ہو نہ پوچھتا ہو، ایک گوشہ میں پڑ کر محبوب کے خیال میں ختم ہوجائیں۔ یہاں اس سے بھی طبیعت گبھراتی ہے کہ فلاں آپ کا معتقد ہے لوگ اس کی کوشش کیا کرتے ہیں کہ معتقدوں کی جماعت بڑھے اور بعض لوگ فخر کیا کرتے ہیں کہ ہمارے اتنے مرید ہیں بعض جگہ مریدوں کی فہرست اور رجسٹر بنے ہوئے ہیں جس میں سب کے نام لکھے جاتے ہیں مگر یہ اس کی دلیل ہے کہ ان کے دل میں حضرت حق کی طلب اور اس کی دھن نہیں ہے ورنہ ان جھگڑوں سے وحشت ہوتی۔ ہمارے ایک دوست ہیں عالم ہیں مگر یک من علم رادہ من عقل باید(۱) انہوں نے ایک خط میں کچھ بے عنوانی(۲) کی تھی۔ میں نے اس پر داروگیر(۳) کی تو آپ دوسرے خط میں اپنا اعتقاد ومحبت جتانے بیٹھے کہ ہم تو آپ کے معتقد ہیں آپ سے محبت رکھتے ہیں، محبین ومعتقدین کے ساتھ یہ برتاؤ نہ ہونا چاہیے، میں نے ان کو لکھ دیا کہ اگر آپ کو محبت واعتقاد اپنی کسی مصلحت سے ہے تو پھر مجھ پر کیا احسان؟ اور اس کے جتلانے کی کیا ضرورتھی؟ مصلحت تو اپنی اور اپنا فائدہ مدنظر اور دباؤ ڈالا جائے میرے اوپر اور اگر میری مصلحت کے واسطے اعتقاد ومحبت پیدا کی ہے تو چھوڑ دو کیونکہ میری اس میں کوئی مصلحت نہیں بلکہ مجھے تو اور اس سے وحشت ہوتی ہے اس پر ان کا دوسرا خط معافی کا آیا اس پر میں نے ایک چرکہ(۴) یہ لگا دیا کہ ان کو لکھا کہ معاف تو کر دیا مگر دل میں دکھن باقی ہے اس کو میں اپنے اختیار سے دور نہیں کرسکتا، کچھ دن تہذیب سیکھو جب تمہاری تہذیب سے دل کو خوشی اور راحت پہنچے گی اس وقت یہ دکھن خود بخود جاتی رہے گی، باقی جتنا میرے اختیار میں ہے میں نے پہلے ہی معاف کر دیا تھا، میں دل میں کسی کی بات نہیں رکھتا اور دل میں وہ رکھے جو زبان سے نہ کہے میں تو زبان سے بہت کچھ کہہ لیتا ہوں دل میں کچھ نہیں رکھتا۔

(۱) ایک من علم کو سمجھنے کے لیے دس من عقل کی ضرورت ہے (۲) بے سلیقہ بات (۳) گرفت کی تھی (۴) ایک زخم اور لگا یا کہ

کفرست در طریقت ما کینہ داشتن　　آئین ماست سینہ چو آئینہ داشتن(۱)

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی خواہش

تو واللہ ہم تو ان قصوں سے گھبراتے ہیں، کیسا اعتقاد کیسی محبت حق تعالیٰ نے پردہ پوشی کر رکھی ہے کہ لوگوں کو ہمارے عیوب نظر نہیں آتے جو محبت واعقاد رکھتے ہیں اگر اصلی حالت دیکھ لیں تو ہزار کوس(۲) دور بھاگیں، اس لیے بس جی یہ چاہتا ہے کہ سب سے الگ ہو کر حق تعالیٰ کے لو لگائی جائے اور سب جھگڑوں کو حذف(۳) کیا جائے۔ ایک مرتبہ کان پور میں ایک قصہ ہوا کہ ابتداء ابتداء میں قانون طاعون کا جاری ہوا، اس وقت چند آدمی میرے پاس جمع ہو کر آئے اور کہا کہ اس کے متعلق ہم جلسہ کرنے والے ہیں تم بھی چلو میں نے انکار کیا کہ ہم طالب علموں کو جلسہ سے کیا تعلق، لوگوں نے زیادہ اصرار کیا میں نے کہا اچھا ذرا ٹھہر جاؤ میں حضرت حافظ کا دیوان کھولتا ہوں، دیکھئے وہ کیا فرماتے ہیں: بسم اللہ کہہ کر جو دیوان کھولا تو سرورق پر یہ شعر نکلا:

گدائے گوشہ نشینی تو حافظا مخروش　　رموز مملکت خویش خسرواں دانند(۴)

میں نے کہا کہ لو بھائی! یہ تو یوں کہتے ہیں کہ شور نہ مچاؤ، گوشہ میں بیٹھے رہو، لوگوں کو بڑی حیرت ہوئی کہ عجب مضمون مناسب وقت نکلا، میں نے کہا صاحبو! میں تو ان قصوں میں سے پہلے ہی گھبراتا ہوں مگر میری رائے یہ ہے کہ آپ لوگ بھی اس قصہ میں نہ پڑیں بلکہ اس مصیبت کی تدبیر دوسری کریں۔

قلوبِ حکام

ابن ابی الدنیا نے روایت کی ہے کہ بادشاہوں کو برا مت کہو! فانا ملك الملوك وبيدی قلوبهم او کما قال بادشاہوں کے دل خدا کے ہاتھ میں ہیں حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ مجھے راضی کرو! میں سب کو ٹھیک کردوں گا۔ سب سے بڑے بادشاہ

(۱) راہ طریقت میں دل میں کینہ رکھنا کفر کی بات ہے، آئینہ کی طرح دل کو صاف وشفاف رکھنا چاہیے‘‘
(۲) ہزاروں میل دور (۳) ختم (۴) ’’اے حافظ تم گدائے گوشہ نشین ہو تم کو شور وغل زیبا نہیں، اپنی سلطنت کے رموز واسرار بادشاہ خوب جانتے ہیں تم اپنے کام میں لگے رہو‘‘

وہ ہیں ان چھوٹے بادشاہوں کے پیچھے کیوں پڑتے ہو، یہ سب اس کے مقرر کیے ہوئے ہیں ہم نے خدا کو ناراض کر رکھا ہے تو اس نے بادشاہوں کے دل بدل دیئے اس کو راضی کرلو! وہ ان کے دلوں کو درست کر دے گا اور اللہ تعالیٰ نے اس کارخانہ ظاہری کو ایک باطنی کارخانہ کے ساتھ وابستہ کر رکھا ہے۔ حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب کے زمانہ میں ایک مرتبہ انتظام خراب ہوگیا تھا لوگوں نے حضرت سے اس کی وجہ دریافت کی آپ نے فرمایا کہ آج کل صاحب خدمت ایسے ہی ایک حضرت ہیں جو بالکل ڈھیلے ہیں اور جن کے یہاں کچھ ڈھنگ نہیں، لوگوں نے پوچھا وہ کون ہیں، فرمایا کہ ایک کنجڑا ہے جو جامع مسجد کے نیچے بیٹھتا ہے، ایک شخص ان کا امتحان کرنے گئے وہ خربوزے بیچ رہے تھے، انہوں نے بھاؤ کیا اور کہا کہ کاٹ کر چکھ کرلیں گے، بولے بہت اچھا۔ انہوں نے قصداً سب خربوزے کاٹ ڈالے اور چکھ چکھ کر کہہ دیا سب خراب ہیں ہم نہیں لیتے، کہنے لگے یہ منظر دیکھ کر چلے آئے پھر ایک مرتبہ دیکھا گیا تو انتظام بہت عمدہ ہوگیا، تمام عملہ ٹھیک چل رہا تھا ہر شخص ڈرتا تھا کہ کام میں خرابی نہ آنے پائے، سب لوگ ٹھیک ٹھیک خدمتیں انجام دیتے تھے پھر اس شخص نے حضرت شاہ صاحب سے دریافت کیا کہ آج کل تو انتظام بہت عمدہ ہے آپ نے فرمایا کہ جی ہاں آج کل صاحب خدمت دوسرے مقرر ہوئے ہیں وہ بڑے تیز اور منتظم ہیں، دریافت کرنے پر فرمایا کہ ایک سقہ(۱) چاندی چوک میں پانی پلاتا پھرتا ہے۔ وہ صاحب ان کا بھی امتحان کرنے چلے، شاہ صاحب نے فرمایا کہ ایک دمڑی ساتھ لے جانا ایک دمڑی کا پیالہ دیتے ہیں، یہ دمڑی لے کر گئے، دیکھا کہ کٹورا بجاتے ہوئے سبیل سبیل پکار رہے ہیں، یہ بھی پہنچے اور ایک پیالہ پانی کا مانگا، انہوں نے پوچھا کہ دمڑی بھی ساتھ لایا ہے، انہوں نے دمڑی پیش کردی، انہوں نے ایک پیالہ دے دیا اس نے پانی پھینک دیا کہ یہ تو خراب تھا ایک پیالہ اور دو! انہوں نے کہا کہ دمڑی اور ہے؟ کہا نہیں، انہوں نے ایک طمانچہ رسید کیا کہ کنجڑا سمجھا ہوگا! جا ایک دمڑی اور لا تب پیالہ ملے گا یہ بڑے گھبرائے کہ واقعی انہی

(۱) ماشکی۔

حضرت نے سارے عملہ کو نچار کھا ہے تو صاحبو! حکام کے دل اہل خدمت کے تابع ہوتے ہیں۔ یہ ظاہری حکام بھی درست ہو سکتے ہیں جب وہ ان کی درستی کی طرف متوجہ ہوں اور وہ بالکل مثل سقہ کے مشیت الٰہی کے تابع ہیں بس خدا کو خوش کرلو وہ اصحاب خدمت کو متوجہ فرمادے گا پھر یہ سارا ظاہری عملہ درست ہوجائے گا۔

بلاؤں کی دوا

تو میں نے ان لوگوں سے کہا تو بہ واستغفار کرو! اور ہر روز پانچ سو مرتبہ کم از کم ’’لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ انہیں نیکی کرنے کی ہمت اور نہ گناہوں سے بچنے کی طاقت سوائے اللہ تعالیٰ کے جو بلند وبالا اور عظمت والا ہے (کی توفیق سے) کا وظیفہ مقرر کرلو! ان شاء اللہ ایک ہفتہ میں سب مصیبت دور ہوجائے گی۔ یہ میں نے کوئی کشف سے نہیں کہا تھا بلکہ حدیث میں آیا ہے: (لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ کَنْزٌ مِنْ کُنُوْزِ الْجَنَّۃِ بخته وَھُوَ دَوَاءٌ لِسَبْعِیْنَ دَاءٍ اَیْسَرُھَا الْھَمُّ) کہ (لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ)(۱) یہ جنت کا ایک خزانہ ہے اور ستر بلاؤں کی دوا ہے جس میں سے ادنیٰ فکروغم ہے (رواہ فی الحصن جامع ۱۲) اس بھروسہ پر میں نے کہہ دیا ہے اور عدد کی تعیین اتفاق سے میرے منہ سے نکل گئی، ان لوگوں نے اس رائے کو پسند کیا اور عمل شروع کیا، واقعی ایک ہفتہ گزرنے نہ پایا تھا کہ وہ حکم منسوخ ہوگیا اور امن چین ہوگئی پھر ان لوگوں کو اس عمل سے ایسا اعتقاد ہوا کہ کان پور کی جامع مسجد میں اب تک نماز عصر کے بعد اس کا ورد چلا جارہا ہے۔ غرض مصائب سے نجات چاہتے ہو تو ایک ذات (۲) سے تعلق پیدا کرو! وہ کون ہے۔

---

(۱) الصحیح للبخاری: ۵/ ۱۲۰، الصحیح لمسلم کتاب الذکر والدعاء باب: ۱۳، رقم: ۴۴ (۲) ’’جامع عرض کرتا ہے کہ اس وقت جو مسلمانوں کو مصائب پیش آرہے ہیں جن کے دفع کرنے کے لیے بہت لوگ خلافت کی حمایت میں سرگرم ہیں ان کو چاہیے کہ سب سے پہلے خدا کو راضی کرنے کی فکر کریں پھر کوئی اور تدبیر کریں بدون خدا کو راضی کیے اور اس کے ساتھ تعلق پیدا کیے کامیابی دشوار ہے مگر افسوس اب بھی مسلمانوں کو ہوش نہیں آیا وہ یہ نہیں سمجھتے کہ گناہوں ہی کی وجہ سے یہ روز بد دیکھنا نصیب ہوا ہے تو اس کا علاج خدا کی اطاعت سے کرنا چاہیے وہ اب بھی ایسی تدابیر کررہے ہیں جو خدا کی ناراضی کا پہلے سے زیادہ سبب ہورہی ہیں۔ ہندوؤں کے جوش اتحاد میں مسلمانوں نے اپنے ہاتھوں پر قشقے لگانے شروع کردیئے جو کہ سراسر کفر ہے۔ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)

مصلحت دید من آنست کہ یاراں ہمہ کار بگذارند و خم طرہ یارے گیرند(۱)

یعنی حق تعالیٰ شانہ سے تعلق پیدا کرو! اس کے سوا سب سے نظر قطع کرو! کیونکہ راحت وکلفت سب اسی کے ہاتھ میں ہے اس کو راضی کرو! ان شاء اللہ وہ تمام مصائب کا انتظام فرمادیں گے۔

أَمَّن يُجِيبُ ٱلْمُضْطَرَّ إِذَا دَعَاهُ وَيَكْشِفُ ٱلسُّوٓءَ وَيَجْعَلُكُمْ خُلَفَآءَ ٱلْأَرْضِ ۗ أَءِلَٰهٌ مَّعَ ٱللَّهِ ۚ قَلِيلًا مَّا تَذَكَّرُونَ ﴿٦٢﴾ (۲)

ہاں! وہ کون ہے؟ جو کہ مضطر (۳) کی دعا قبول کرتا ہے اور مصیبت کو دور کرتا ہے اور تم کو زمین میں یکے بعد دیگرے قائم مقام بناتا ہے (وہ صرف خدائے عزوجل ہے) کیا (اب بھی) خدا کے ساتھ کوئی اور معبود ہے؟ (ہرگز نہیں) مگر پھر جو بعض لوگ خدا کی طرف نہیں جھکتے اس کا یہ سبب نہیں کہ وہ اس مضمون کو جانتے نہیں بلکہ وہ لوگ (محض کورانہ تقلید سے) خدا کے ساتھ دوسروں کو برار کرتے ہیں۔

وصال حبیب

صاحبو! خدا کے ساتھ تعلق ہوجائے تو اول تو مصیبت آوے ہی گی نہیں اور اگر

(پچھلے صفحے کا بقیہ) قربانی گاؤ کو جو کہ شعار اسلامی ہے بند کرنا چاہتے ہیں، ہندوؤں کی دوستی میں ان پر آیات واحادیث کو نثار کرتے ہیں، افسوس جس بات کی وجہ سے یہ مصائب پیش آرہے ہیں اسی کو کامیابی کا ذریعہ بنانا چاہتے ہیں یعنی خدا کی نافرمانی سے یہ بلائیں آتی ہیں تو نافرمانی ہی کے ذریعے سے ان کو دفع کرنا چاہتے ہیں۔ ایں خیال است ومحال است وجنوں) ترسم نرسی بکعبہ اے اعرابی کیں رہ کہ تو میروی بہ ترکستان است۔ ظفر احمد عفا اللہ عنہ۔ آج کل جن معاشی مشکلات کا پاکستان شکار ہے مہنگائی اور سیلاب کی آفات میں گھرا ہوا ہے اس کا علاج بھی کثرت استغفار اور پانچ سو مرتبہ لاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم پڑھنا ہی ہے ہم سب کو اپنا یہ معمول بنا لینا چاہئے اس کی برکت سے ان شاء اللہ ہم بھی ان مصائب سے باہر آجائیں گے۔ خلیل احمد تھانوی

(۱) ''میں بڑی مصلحت یہ دیکھتا ہوں کہ دوست سب کو چھوڑ کر محبوب حقیقی کی طرف متوجہ ہوجائیں'' (۲) ''یا وہ ذات جو بے قرار آدمی کی سنتا ہے جب وہ اس کو پکارتا ہے اور اس کی مصیبت کو دور کرتا ہے اور تم کو زمین صاحب تصرف بناتا ہے کیا اللہ کے ساتھ اور کوئی معبود ہے مگر تم لوگ بہت ہی کم یاد رکھتے ہو'' سورۃ النمل: ۶۲)

(۳) بیقرار آدمی۔

آوے گی تو وہ مصیبت مصیبت نہ رہے گی حتٰی کہ جس موت سے آپ کو اب وحشت (۱) ہے اس وقت اس سے محبت ہوجائے گی اور معلوم ہوجاوے گا کہ موت وحشت کی چیز نہیں، پھر وحشت ایک تو موت سے ہوتی ہے خیر یہ تو کسی قدر ظاہراً معقول بھی ہے کہ مرنے والا تمتعات (۲) سے محروم ہوجاوے گا۔ دوسرے اس سے وحشت ہونا کہ ایک دم سے بہت سے آدمی مرجاویں گے یہ تو بڑی ہی بیوقوفی کی بات ہے کیونکہ ایک مرنے والے پر دوسروں کے مرنے کا کیا اثر ہوگا؟ غرض اول تو خود موت ہی کوئی بری چیز نہیں خدا کے وصال (۳) کا ذریعہ ہے اس کے بغیر خدا سے ملنا نصیب نہیں ہوسکتا، پس حیرت ہے کہ ایک شخص تو فراق کی مصیبت سے چھوٹ کر وصال حبیب سے مشرف ہوتا ہے (۴) اور تم یہ چاہتے ہو کہ یہ تمہارے ہی پاس رہتا، اسی رنج وفراق میں گرفتار رہتا جس میں تم گرفتا ہو، سچ ہے اگر سلامت فہم (۵) نہ ہو تو یہی ہوتا ہے کہ جب قید خانہ میں سے کسی قیدی کو رہائی ہوتی ہے تو دوسرے قیدیوں کو رنج ہوا کرتا ہے کہ یہ کیوں چھوٹ گیا۔ یہ بھی ہماری طرح یہیں رہتا، گنجا یہ چاہتا ہے کہ سارا جہان گنجا ہوجائے مگر کوئی اس چھوٹنے والے کے دل سے پوچھے۔ واللہ جو لوگ مر گئے ہیں ان کو دوبارہ اگر دنیا میں جانے کو کہا جاوے تو وہ کبھی اس کو منظور نہ کریں۔ جیسا کہ قیدی چھوٹ جانے کے بعد پھر قید خانہ میں جانا خوشی کے ساتھ کبھی نہیں چاہا کرتا۔

عجائب برزخ

دوسرے یہ کہ جب ان کو مرنا ہی ہے تو اکٹھے مرے تو کیا! متفرق (۶) مرے تو کیا! بلکہ یہ تو اور بھی اچھا ہے کہ بہت سے ساتھ مل کر جاویں۔ مرگ انبوہ جشنے دارد (۷) یہ تو حدیث میں بھی آیا ہے کہ مرنے کے بعد روحیں آپس میں جمع ہوتی ہیں تو اچھا ہے کہ یہیں سے سب مل کر جاویں۔ لوگ سمجھتے ہیں کہ مردہ یہاں سے جا کر قبر میں اکیلا گھبراتا

(۱) گھبراہٹ (۲) جو فائدے اب اٹھا رہا ہے ان سے محروم ہوجائے گا (۳) خدا سے ملاقات کا ذریعہ ہے (۴) جدائی کی مشکل سے نکل کر ملاقات محبوب کا شرف حاصل ہو رہا ہے (۵) صحیح سمجھ (۶) جدا جدا (۷) جب بہت سے لوگوں پر مصیبت آتی ہے تو وہ بھی ایک جشن کا سماں ہوتا ہے۔

ہوگا تو صاحبو! یہ قبر تو لغوی قبر ہے ورنہ حقیقی قبر تو عجیب چیز ہے یعنی عالم برزخ وہ اتنا تنگ اور چھوٹا نہیں وہ خود ایک مستقل عالم ہے۔ حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جب کوئی مرتا ہے اور اس کی روح آسمان پر جاتی ہے تو اس سے ملنے کو اس کے اعزا واقربا دوست احباب کی روحیں آتی ہیں اور خوش ہوتی ہیں اور دنیا کی باتیں پوچھتی ہیں کہ فلاں شخص کس حال میں ہے وہ کیسا ہے پھر ایک کہتا ہے کہ بس ابھی اس کو زیادہ بات چیت میں نہ لگاؤ یہ تھکا ہوا آیا ہے ذرا راحت لینے دو! غرض وہاں وحشت (۱) نہیں نہ وہاں تنہائی ہے گو لوگ اس کو وحشت کدہ (۲) گمان کرتے ہیں مگر خلاف گمان وہ ایسا نہیں جیسے مولانا آگ کے متعلق فرماتے ہیں:

اندر آ اسرار ابراہیم بیں کو در آتش یافت در و دو یاسمیں (۳)

یہ ایک قصہ میں مولانا (۴) فرما رہے ہیں۔ قصہ یہ ہے کہ ایک کافر بادشاہ نے بہت سی آگ جلا کر مسلمانوں کو مجبور کیا کہ بت کو سجدہ کریں ورنہ آگ میں ڈال دیئے جائیں گے۔ چنانچہ انہیں مسلمانوں میں ایک عورت بھی تھی جس کی گود میں شیر خوار (۵) بچہ تھا اس کو بت کے آگے سجدہ کرنے کے لیے کہا گیا اور انکار کرنے پر ظالموں نے اس کی گود میں سے بچہ چھین کر آگ میں ڈال دیا، اس وقت قریب تھا کہ اس کی ماں کا قدم لڑکھڑا جائے کہ حق تعالیٰ نے اس کی امداد کی اور بچہ کو گویائی (۶) دی اس نے اپنی ماں کو پکارا کہ:

اندر آ اسرار ابراہیم بیں کو در آتش یافت در و دو یاسمیں (۷)

یعنی اندر آ کر دیکھ یہ آگ نہیں ہے گلزار ہے۔ اسی طرح عالم برزخ بہت دلچسپی کا مقام ہے:

رو برو سلطان و کاروبار بیں! حسن تجری تحتہا الانہار بیں! (۸)

(۱) گھبراہٹ (۲) پریشانی کا گھر (۳) ’’اندر آ اور تو دیکھ لے کہ یہ آگ نہیں ہے گلزار ابراہیمی ہے‘‘ (۴) مولانا روم مثنوی میں بیان کر رہے ہیں (۵) دودھ پیتا بچہ (۶) بولنے کی طاقت دی (۷) ’’اندر آ اور تو دیکھ لے کہ یہ آگ نہیں ہے گلزار ابراہیمی ہے‘‘ (۸) ’’بادشاہ کے پاس جاؤ اور کاروبار دیکھو، عمدہ باغ جس کے نیچے نہریں جاری ہیں، ان کو دیکھو‘‘

یعنی بادشاہ کے پاس جا کر کاروبار دیکھو، تجری تحتہا الانہار(۱) کا حسن دیکھو:

خواہر انت ساکن چرخ سنی تو بمردارے چہ سلطانی کنی

تو موت سے وحشت اس واسطے ہے کہ لوگوں نے اس گڑھے کو قبر سمجھ لیا ہے وہ عالم برزخ کے عجائب سے ناوقف ہیں۔شوق وطن میرا ایک رسالہ ہے اس کو دیکھو موت کا شوق ہوجائے گا۔ بیماری اور مصائب کے وقت اس رسالہ سے بہت سکون ہوتا ہے۔ میں اس وقت اس کی کوشش نہیں کرتا کہ ایک دن میں یہ کیفیت پیدا ہوجائے اور نہ یہ ایک دن میں پیدا ہوسکتی ہے۔

صوفی نہ شود صافی تادرنکشد جامی بسیار سفر باید تا پختہ شود خامی(۲)

اسرار عشق

پختہ ہونے کے لیے تو بہت خاک چھاننی پڑتی ہے۔ میرا مقصود اس وقت یہ ہے کہ آپ اس کیفیت کے حاصل کرنے کی کوشش کریں جس دن یہ کیفیت نصیب ہوجائے گی آپ کی زندگی اور موت (دونوں پر لطف ہوجائیں گے) واللہ ثم واللہ(۳) ثم باللہ یہ سب باتیں بنائی ہوئی نہیں ہیں یہ سب حقائق ہیں لیکن اگر عنین(۴) مادرزاد کو جماع کی لذت نہ آئے تو کیا سارے ہی نامرد ہوجاویں گے ہرگز نہیں بلکہ اسی کو کہا جاوے گا کہ قوت مردانگی سے محروم ہے سارا جہان نامرد نہیں ہوسکتا اسی طرح اگر آپ کو یہ حقائق نہ معلوم ہوں تو کیا یہ ساری باتیں بنی ہوئی ہوجائیں گی۔

اگر آپ بے خبر ہوں تو کیا خبر کہنے والے بھی ان حقائق کو نہ کہیں؟ وہ بھی اپنی آنکھیں پھوڑ لیں۔ اہل اللہ کے سامنے عوام کی وہی حالت ہے جو عنین کی مرد کے سامنے ہوتی ہے۔ اگر نامرد کسی مرد کے سامنے لذت جماع کا انکار کرنے لگے تو اس کو جوش نہ آئے گا۔ برا نہ مانئے گا! بلکہ اس کے حال پر اسے تو ترس آئے گا کہ یہ غریب اس لذت سے کیسا بے خبر ہے اسی طرح اہل اللہ کے علوم کو اگر کوئی ناسمجھ بنی ہوئی باتیں کہنے

(۱) ان باغات کے نیچے نہریں بہنے کا خوش منظر دیکھو (۲) ’’صوفی جب تک بہت سے مجاہدے نہ کرے خام ہی رہتا ہے، پختگی مجاہدات کے بعد حاصل ہوتی ہے‘‘ (۳) خدا کی قسم پھر خدا کی قسم پھر خدا کی قسم (۴) پیدائشی نامرد

لگے تو اس سے وہ برا نہیں مانتے ان کی مثال تو کیمیا گر(۱) جیسی ہے اگر تمام دنیا کیمیا گر سے کہنے لگے کہ تجھے خاک نہیں آتا کچھ نہیں جانتا یہ کیمیا کی باتیں ہی باتیں ہیں تو وہ اس سے برا نہیں مانے گا بلکہ یہی کہے گا کہ تم مجھے ایسا ہی سمجھتے رہو تم خود ہی محروم رہو گے۔ اسی کو فرماتے ہیں۔

بامدعی مگوئید اسرار عشق و مستی بگزار تا بمیرد از رنج خود پرستی(۲)

فرماتے ہیں کہ مدعی سے اسرار عشق بیان نہ کر، اس کو خود رائی اور خود پرستی ہی کے رنج میں رہنے دو! آنکھوں پر پردہ پڑا ہے اس لیے یہ حقائق نظر نہیں آتے لیکن اگر یہ باتیں محض بنائی ہوئی ہیں تو پھر اہل اللہ کے کلام میں اثر اور درد کہاں سے آ گیا؟ جھوٹی باتوں میں بھی کہیں اثر ہوا کرتا ہے؟۔

سینہ کی آگ

آخر کوئی تو بات ہے جس نے اہل اللہ کو تمام لذات وشہوات سے الگ کر دیا کہ جن چیزوں کے لیے عام لوگ مرتے کھپتے ہیں وہ ان سے بالکل بیزار اور مستغنی ہیں نہ ان کو طلب مال کی ہے نہ لباس کی فکر ہے نہ عزت وجاہ کی خواہش ہے۔ آخر کوئی چیز تو ان کے پاس ہے جس کی لذت میں وہ ان چیزوں کو چھوڑ کر الگ ہو گئے، کوئی تو آگ ان کے سینہ میں ہے جو پاس بیٹھنے والوں کو بھی بیقرار کر دیتی ہے۔ یہ خود اس کی دلیل ہے کہ ان کے یقیناً وہ خفا ہیں جن کی مخلوق کو خبر نہیں۔ اسی کو مولانا فرماتے ہیں:

گر نبودے نالہ نے را اثر نے جہاں را پر نکردے از شکر(۳)

علوم عارفین

عارفین کے یہ علوم قرآن وحدیث میں موجود ہیں مگر کوئی سمجھنے والا بھی ہو۔ نمونہ کے طور پر سنئے۔ حق تعالیٰ فرماتے ہیں وَاِنۡ مِّنۡ شَیۡءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمۡدِہٖ وَلٰکِنۡ لَّا تَفۡقَهُوۡنَ (۴)

(۱) سونا بنانے والے کی سی ہے (۲) ''مدعی کے سامنے عشق ومستی کے اسرار مت بیان کرو، اس کو خود پرستی اور رنج میں مرنے دو'' (۳) ''اگر نالہ کرنے کا ثمرہ جو طلب ہے جس سے معرفت پیدا ہوتی ہے نہ ہوتا تو دنیا میں ہزاروں عارف کہاں سے آتے'' (۴) الاسراء: ۴۴

کہ ہر چیز حق تعالیٰ کی تسبیح وحمد کرتی ہے مگر تم ان کی تسبیح کو نہیں سمجھتے۔ لوگ قرآن وحدیث کو سمجھے نہیں بس تاویل کرنے لگے کہ مراد تسبیح حالی ہے۔ عارفین کہتے ہیں کہ یہ حقیقت پر محمول ہے کیونکہ وہ کھلی آنکھوں ہر چیز کو تسبیح کرتے دیکھتے ہیں اور کانوں سے ان کی تسبیح سنتے ہیں لیکن اہل ظاہر کی آنکھیں چونکہ بند ہیں وہ اس میں تاویل کرنے لگے۔ مولانا اس کی شکایت فرماتے ہیں:

بر ہواتا ویل قرآن می کنی پست وکج شد از تو معنائے سنی
چوں ندارد جان تو قندیل ہا بیر بینش می کنی تاویل ہا
کردۂ تاویل لفظ بکررا خویش را تاویل ک نے ذکررا(۱)

عارفین اپنی رائے سے تاویل نہیں کرتے وہ قرآن وحدیث کی تمام باتوں کو حقیقی سمجھتے ہیں ان کا تو یہ مذہب ہے:

فکر خودرائے خود در عالم رندی نیست کفرست دریں مذہب خود بینی وخودرائی(۲)

اگر آنکھیں کھلی ہوں تو سارا جہاں ذکر اللہ سے پر نظر آتا ہے۔

دردطلب

پس اگر آپ بھی ان حقائق کو سمجھنا چاہتے ہیں تو اہل اللہ کا دامن پکڑ لیجئے وہ بخیل نہیں ہیں البتہ مستغنی ضرور ہیں جو ان سے اعراض کرتا ہے وہ ہزار بار اس سے اعراض کرتے ہیں اور جو ان کی طرف آتا ہے وہ اس کے نفس سے زیادہ اس پر شفیق ہیں۔ بشرطیکہ طلب صادق ہو کیونکہ بدون سچی طلب کے کامیابی مشکل ہے دوا وہیں اثر کرتی ہے جہاں بیماری ہو، پانی وہیں جاتا ہے جہاں پستی ہو، اونچے پہاڑ پر پانی نہیں چڑھا کرتا۔

---

(۱) ''خواہش نفسانی کے مطابق قرآن میں تاویل کرتے ہو جس سے اس کے روشن معنی پست اور کج ہو جاتے ہیں تمہارے اندر قرآن کے سمجھنے کا فہم ہی نہیں ہے اس لیے تاویلات کرتے ہو، قرآن سمجھنے کا فہم پیدا کرو اور تاویلات چھوڑ دو'' (۲) ''اپنی رائے اور فکر کو راہ سلوک میں کچھ دخل نہیں ہے اس راہ میں خود بینی اور خودرائی کفر ہے''

ہر کجا پستی ست آب آنجارود ہر کجا مشکل جواب آنجارود
ہر کجا دردے دوا آنجارود ہر کجا رنجے شفا آنجارود(۱)

تو پہلے طلب کا درد اپنے اندر پیدا کیجئے! اس کے بعد اپنے آپ کو ان کے سپرد کردیجئے اور خودرائی اور خود بینی کو(۲) طاق پر رکھئے! جس طرح وہ چلائیں اس طرح چلئے! اپنی عقل کو دخل نہ دیجئے، محض عقل سے مقصود حاصل نہیں ہوسکتا، دیکھئے! فلاسفہ یونان کیسے کیسے عقلاء تھے مگر مقصود تک نہ پہنچ سکے، ہزاروں ٹھوکریں کھائیں عقل نے ان کو مقصود سے بہت ہی دور ڈال دیا اس طریق میں صرف عقل سے کام نہیں چلتا حال کی بھی ضرورت ہے۔ جب حال نہ ہو تو تنہا عقل سے قساوت (۳) بڑھ جاتی ہے۔ دل کا قفل (۴) نہیں کھل سکتا۔ فلاسفہ یونان کو عقل ہی کا ہیضہ ہوگیا تھا اسی لیے ان میں سے بعضوں نے انبیاء کو بھی پایا مگر اتباع نہ کیا یہ کہہ دیا کہ بیشک یہ نبی ہیں، مگر جاہلوں کے واسطے ہیں ہم عقلاء ہیں ہم کو نبی کی ضرورت نہیں تو بات کیا تھی کہ ان میں حال نہ تھا اگر حال ہوتا تو مقصود کا پتہ چل جاتا اور سمجھ جاتے کہ اس مقصود کو ہم اپنی عقل سے نہیں پاسکتے اس کے لیے کسی مقبول بندہ کی دستگیری (۵) بھی شرط ہے پھر انبیاء کی حقانیت اور مقبولیت دیکھ کر ضرور ان کا اتباع کرتے مگر ان کے دل میں محبت کی آگ نہ تھی عشق کا حال غالب نہ تھا اس لیے وصال محبوب کی خواہش نہ ہوئی ورنہ ایسا کہیں ہوسکتا ہے؟ کہ محبوب کے وصال کی طلب ہو اور ایک پہنچانے والا سامنے ہو اور وہ خود بلا رہا ہو کہ آؤ میں تم کو محبوب سے ملادوں اور پھر بھی عاشق کو اس کی رہبری کی اتباع سے انکار ہو؟ ہاں! عشق ہی نے تو سب کچھ ممکن ہے۔ غرض بدون طلب کے کام نہیں چل سکتا۔

فہم و خاطر تیز کردن نیست راہ جز شکستہ می نگیرد فضل شاہ(۶)

---

(۱) ''جہاں پستی ہوتی ہے وہیں پانی جاتا ہے جہاں اشکال ہوتا ہے وہیں جواب دیا جاتا ہے، جہاں مرض ہوتا ہے وہاں دوا استعمال کی جاتی ہے جہاں رنج ہوتا ہے وہیں شفاء پہنچتی ہے'' (۲) اپنے کو مٹاؤ اپنی رائے اور اپنی ذات کو کچھ نہ سمجھو (۳) دل سخت ہوجاتا ہے (۴) تالہ (۵) ہاتھ تھامنا بھی ضروری ہے (۶) ''فہم وخاطر کو تیز کرنا راہ سلوک نہیں بلکہ شکستگی پیدا کرنا ہے، اللہ کا فضل سوائے شکستگان اور کسی پر نہیں ہوتا''

اور شکستگی عشق وطلب ہی کی بدولت پیدا ہوتی ہے اگر یہ شکستگی پیدا ہوجائے تو مطلوب بہت نزدیک ہے۔ حدیث میں ہے: اَنَا عِنْدَ الْمُنْکَسِرَۃِ قُلُوْبُھُمْ (۱) کہ میں دل شکستہ لوگوں کے پاس ہوں اس لیے اگر وصال محبوب کی تمنا ہے تو اول یہ شکستگی پیدا کیجئے پھر کسی کے ہاتھ میں اپنے آپ کو سپرد کردیجئے۔

سپردگی کامل

بتلایئے! آخر صحابہؓ کس چیز سے راہ پر لگے ہیں اسی سپرد کردینے سے۔ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھ میں اپنے آپ کو سپرد کردیا تھا اسی سے ان کا کام بن گیا، علم وعقل سے ان کا کام نہیں بنا چنانچہ بعض متاخرین فقہ وغیرہ میں صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بہت آگے ہیں مگر کیا وہ اس سے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم پر فوق ہوگئے؟ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں ایک ایسی بات ہے جو کسی امتی کو نصیب نہیں وہ یہ ہے کہ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھ میں اپنے آپ کو سپرد کردیا پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی برکت سے وہ وہاں پہنچے جہاں ہزار برس کے مجاہدوں سے بھی کوئی نہیں پہنچ سکتا اور سپردگی بھی ایسی کامل تھی کہ ایک بار ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پکارا وہ نماز پڑھ رہے تھے اس لیے نہ بولے، نماز سے فارغ ہوکر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنا عذر بیان کیا کہ میں نماز میں تھا، آپ نے فرمایا: اَسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيْكُمْ (۲) کیا تم نے حق تعالیٰ کا ارشاد نہیں سنا؟ کہ جب رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تم کو پکاریں فوراً جواب دو! تو صحابہ کے ذمہ نماز میں بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جواب دینا ضروری تھا، آگے اس پر علماء کا اختلاف ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جواب دینے سے نماز فاسد (۳) ہوجاتی تھی یا نہیں، بعض نے کہا ہے کہ فاسد نہ ہوتی تھی خیر نماز کا جو بھی حکم ہو مگر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بات کا جواب دینا نماز میں بھی ان کے ذمہ فرض تھا اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد کے لیے اس میں تفصیل ہے کہ فرض

(۱) الاسرار المرفوعۃ لعلی القاری: ۱۱۷، کشف الخفاء للعجلونی ۱/ ۲۳۴ (۲) الانفال: ۲۴ (۳) نماز ٹوٹتی ہے کہ نہیں۔

نماز کا توڑنا تو کسی حال میں جائز نہیں بجز اس صورت کے کہ کسی مسلمان پر جان کا خطرہ ہو تو لازم ہے کہ نماز توڑ کر اس کی امداد کرے یا اپنا نقصان ایک درہم سے زیادہ کا ہوتا ہو تو جب بھی نماز توڑ دینا جائز ہے۔ باقی اگر جان کا خطرہ نہ ہو تو فرض نماز نہ توڑے۔ رہی نفل نماز تو اس کا توڑنا غیر والدین کے لیے تو جائز نہیں اور والدین کے لیے اس وقت جائز ہے کہ ان کو یہ معلوم نہ ہو کہ نماز پڑھ رہا ہے اور اگر یہ معلوم ہو گیا پھر بھی پکاریں تو نماز توڑنا جائز نہیں کیونکہ اب وہ پکارنے والا خود گنہگار ہے اس کی بات نہ مانی جائے گی۔ یہ تفصیل میں نے اس لیے بیان کردی کہ بعض لوگ پیروں کے پکارنے پر اب بھی نماز کا توڑنا مطلقاً جائز سمجھتے ہیں مگر یہ غلط ہے۔ پیر کا درجہ شرعاً باپ سے زیادہ نہیں۔ غرض میں یہ کہہ رہا تھا کہ اپنے کو کسی عارف محقق کے ہاتھ میں سپرد کرو اور اپنی رائے اور عقل کو بالائے طاق رکھو۔

انداز تربیت

اور اس سے مت ڈرو کہ وہ بڑے بڑے مجاہدے کرائیں گے کیونکہ محقق ہر شخص کے مناسب دستور العمل تجویز کرتا ہے سب کو ایک لاٹھی سے نہیں ہانکتا جو لوگ ضعیف ہیں، مجاہدات کے متحمل (۱) نہیں ہیں، ان کی پرورش جمال سے کرتے ہیں کہ خوب کھاؤ، خوب پیو، اچھا پہنو، راتوں کو سوؤ اور مختصر کام بتلا دیتے ہیں جس کا وہ تحمل کرسکیں اور کسی کی تربیت جلال سے کرتے ہیں کہ تمام شہوات و لذات جو ضروریات سے زیادہ ہوں چھوڑا دیتے ہیں۔ حضرت عارف شیرازی ان مشائخ کی شکایت کرتے ہیں جو ضعفاء کے حال پر رحم نہیں کرتے۔

خستگاں را چو طلب باشد وقوت نبود ۔۔۔ گر تو بیداد کنی شرط مروت نہ بود

یعنی مروت اور شفقت سے یہ بات دور ہے کہ ضعیف و ناتواں لوگ جن میں طلب ہے اور قوت نہیں ان کو بھی تم محنت و مشقت کے طریق سے پرورش کرو۔ مولانا فرماتے ہیں:

(۱) مجاہدات کی مشقت برداشت نہیں کر سکتے۔

چار پارا قدر طاقت بار نہ   برضعیفاں قدر ہمت کار نہ
طفل را گرناں دہی برجائے شیر   طفل مسکیں ازاں ناں مردہ گیر

ظاہر ہے کہ شیر خوار بچہ کو اگر دودھ کے بجائے روٹی کھلانے لگو تو چار دن میں اس کا خاتمہ ہے۔ آج ضعیف[1] کو اگر وہ کام بتلا دیا جائے جو اقویا[2] کے مناسب ہے تو وہ چار دن میں تمام ہو جائے گا۔ پس اہل اللہ ہر شخص سے اس کے مناسب معاملہ کرتے ہیں۔ ضعیف کے حال پر وہ بہت شفقت کرتے ہیں۔ ہاں! مگر حرام زدگی کے ساتھی نہیں کہ ایک شخص اچھا خاصا ہو اور پھر کم ہمت بن جائے تو اس کے لیے وہ سخت بہت ہیں۔ اگر اہل اللہ پر اعتماد ہے تو ان کو اپنے سے زیادہ واقف طریق اور خیر خواہ سمجھ کر ان کے قدموں سے لگ جاؤ! ہاں اگر ان کی تشخیص پر اعتماد نہ ہو تو چھوڑ دو مگر جب ایک بار کسی کو محقق سمجھ کر اپنے اوپر اختیار دے دیا تو پھر اس کی رائے میں دخل نہ دو کہ یہ خودرائی سدراہ ہے اس طریق میں اعتماد بہت ضروری ہے بلکہ اسی طریق میں کیا ہر علم میں اعتماد کے بغیر کام نہیں چل سکتا پھر اس تفویض میں آپ ہی کا نفع ہے کیونکہ اپنے آپ کو دوسرے کے سپرد کر دینے سے بڑی راحت ہوتی ہے اور دوسرے کو پوری توجہ ہوتی ہے اور بدون تفویض[3] کے نہ اپنے آپ کو جمعیت نصیب ہوتی ہے نہ دوسرے کو توجہ ہوتی ہے۔

دستور العمل

غرض جب آپ صحابہ کی طرح اپنے آپ کو کسی کے سپرد کر دیں گے اس وقت معلوم ہوگا کہ یہ باتیں بنائی ہوئی نہیں ہیں بلکہ حقائق ہیں پھر آپ کو موت سے وحشت نہ ہوگی بلکہ اس کا اشتیاق پیدا ہو جائے گا اور یہی حسن خاتمہ کی دلیل ہے کہ خدا سے ملنے کا اشتیاق پیدا ہو جائے۔

عارفین کی موت کے قصے سن کر معلوم ہوتا ہے کہ واقعی ان لوگوں کی موت پر

(۱) کمزور (۲) طاقتور (۳) بغیر سپردگی

ہزار زندگی قربان ہے ایک مرتبہ شیخ نجم الدین کبریٰ کے سامنے کسی نے ایک غزل گائی جس کے ایک شعر کے اخیر میں یہ تھا۔

جاں بدہ وجاں بدہ و جاں بدہ(۱)

آپ کے اوپر کیفیت شوق کا غلبہ ہوا فرمایا کہ محبوب جاں مانگ رہا ہے اور کوئی اپنی جان نہیں دیتا اس کے بعد فرمایا کہ ''جاں دادم وجاں دادم جاں دادم''(۲) بس یہ کہہ کر ختم ہو گئے۔ ایک اور صوفی کا قصہ ہے کہ وہ حج کو جا رہے تھے شوق میں ناچتے کودتے اشعار پڑھتے جاتے تھے کسی کو معلوم نہ تھا کہ یہ کس درجہ کا عاشق ہے لوگ ان کو معمولی آدمی بلکہ مسخرہ سمجھتے تھے مگر جس وقت مکہ میں داخل ہوئے ہیں اور بیت اللہ پر نظر پڑی ہے اور مطوف (۳) نے کہا یہی بیت اللہ ہے بس ان پر ایک حالت ہوگئی اور بے ساختہ زبان سے نکلا۔

چوں رسی بکوئے دلبر بسپار جان مضطر که مبادا بار دیگر نرسی بدیں تمنا(۴)

پھر گرتے ہی جان دے دی۔ صاحبو! کیا ایسی موت تمنا کے قابل نہیں کیا اس کے لیے کوشش نہ ہونی چاہیے، شاید کوئی یہ کہے کہ صاحب یہ تو حکایات ہی حکایات ہیں پہلے زمانہ میں کسی کو موت کا ایسا اشتیاق ہوتا ہوگا آج کل ایسا نہیں ہوسکتا۔ تو میں کہتا ہوں کہ نہیں صاحب اب بھی ایسے لوگ موجود ہیں اور نہ ہونے کی وجہ جس طریقہ سے ان کو یہ حالت نصیب ہوتی تھی وہی طریقہ اب بھی اگر اختیار کیا جائے تو یہ حالت پیدا ہو جائے گی اور وہ طریقہ کیا ہے؟ کثرت ذکر اور کثرت اطاعت اور اجتناب معصیت (۵) بس ان تینوں چیزوں کو اختیار کر لیجئے! ان شاء اللہ موت کا اشتیاق اور خدا سے ملنے کی تمنا پیدا ہو جائے گی۔

---

(۱) ''اپنی جان دیدو اپنی جان دیدو اپنی جان دیدو'' (۲) ''میں جان دیتا ہوں میں جان دیتا ہوں میں جان دیتا ہوں (۳) طواف کرانے والے نے کہا (۴) ''جب محبوب کے کوچہ میں پہنچ جاؤ تو جان اس کے سپرد کر دو شاید کہ پھر یہ موقع ہاتھ نہ آئے'' (۵) ذکر کی کثرت احکام کی پابندی اور گناہوں سے بچنا۔

حیاتِ اعلیٰ

اگر آپ یہی چاہتے ہیں کہ اس زمانہ میں ایسے نمونے دکھلا دوں، تو لیجئے میں بتلاتا ہوں کہ اب بھی ایسے لوگ موجود ہیں ہمارے مدرسہ میں دو شخصوں کا انتقال ہوا جو کہ ذاکر و مشاغل تھے۔ ایک بوڑھے تھے، ایک جوان تھے، بوڑھے کا قصہ تو یہ ہوا کہ وہ رات کو حسب معمول تہجد کے لیے اٹھے اور مٹی کا لوٹا تیمم یا وضو کے لیے لینا چاہتے ہوں گے پس لوٹے پر دونوں ہاتھ رکھے ہوئے اسی طرح ختم ہوگئے۔ دوسرے صاحب کا یہ قصہ ہوا کہ ان کو بخار میں سرسام (۱) ہوگیا تھا کیونکہ جوان آدمی تھے حرارت غالب تھی اور سرسام میں عقل نہیں رہا کرتی مگر ذکر کا اثر دیکھے کہ موت کیسی اچھی ہوئی رات کو وہ بھی خود ہی اکیلے ختم ہوگئے کسی کو خبر نہیں ہوئی، جب صبح کے قریب ان کو دیکھا گیا تو ہاتھ پر تسبیح لپیٹے ہوئے مراقبہ کی شکل میں گردن جھکائے بیٹھے ہیں، لوگ سمجھے کہ زندہ ہیں مگر وہ کہاں تھے، نہ معلوم کب کے ختم ہو چکے تھے۔ تو دیکھئے! یہ ثمرہ ہے ذکر کا جو دنیا ہی میں نصیب ہوتا ہے کہ موت کے وقت خدا کا اشتیاق ہو جاتا ہے اس کی یاد کو جی چاہتا ہے آخر وہ کیا چیز تھی جس نے ان کو اخیر وقت میں بھی جس میں انسان بالکل عاجز اور کمزور ہو جاتا ہے تسبیح اٹھانے اور مراقبہ کرنے کی ہمت دے دی اور دوسرے صاحب کو اخیر وقت تک تہجد کا خیال رہا اس کے لیے اپنی ہمت کے موافق کوشش بھی کی اور نماز ہی کے اہتمام میں ختم ہوگئے وہ محض اشتیاق لقاء اللہ کی کیفیت تھی جو اخیر وقت میں ان پر غالب ہوگئی تھی۔ لیجئے اب تو میں نے بالکل پتہ بتلا دیا اب تو آنکھیں کھولو! اور اس حالت کے حاصل کرنے کی کوشش کرو! سچ بات یہ ہے کہ ایسی موت قابل رشک ہے اس پر ہزار زندگی قربان ہے۔ عارف شیرازی فرماتے ہیں:

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما (۲)

(۱) بخار کی گرمی سر کو چڑھ گئی تھی (۲) ''جس کا دل عشق الٰہی سے لبریز ہو وہ کبھی نہیں مرتا اس دنیا پر اس کی ہمیشگی کو لکھ دیا گیا ہے''۔

واقعی بات یہ ہے کہ ان لوگوں کا مرنا صرف ظاہری ہے حقیقت میں ان کو بہت اعلیٰ درجہ کی حیات نصیب ہوگئی۔

دوام حیات

اور اسی حیات کا ایک اثر یہ ہے کہ اہل اللہ کا تذکرہ بعد موت کے بھی باقی رہتا ہے ورنہ ہزاروں مرتے ہیں کوئی چند دن کے بعد نام بھی نہیں لیتا اور یہ حیات برزخیہ اگرچہ ہر شخص کو مرنے کے بعد نصیب ہوتی ہے مگر اہل اللہ کی حیات دوسروں کی حیات سے قوی ہوتی ہے۔ اسی کو فرماتے ہیں:

ثبت است برجریدۂ عالم دوام ما(۱)

اور اس میں ایک راز ہے وہ یہ کہ حق تعالیٰ کی صفات ہمیشہ باقی رہتی ہیں اور یہ حضرات مظہر صفات الٰہی ہیں اس لیے ان کو بھی کسی قدر دوام وبقاء(۲) سے حصہ ملتا ہے۔

استقامت اعمال

اور حق تعالیٰ کی صفات پر مجھے ایک بات یاد آئی جو بہت ہی کام کی بات ہے۔ ایک علم عظیم ہے جو حق تعالیٰ نے آج عطا فرمایا ہے، اس کی قدر وہ جانے جس پر گزرتی ہے۔ مجھ سے اگر پوچھئے! تو لاکھوں کی بات ہے وہ یہ کہ بعض سالکوں کو یہ بات پیش آتی ہے کہ ان میں تاثر کم ہوتا ہے نہ خوف نہ غلبہ نہ زیادہ غلبہ محبت پس ان کی طبیعت خالی خالی معلوم ہوتی ہے اور بعضوں پر احوال ومواجید(۳) کا بہت غلبہ ہوتا ہے، ذرا ذرا سی بات پر رقت اور خوف طاری ہوجاتا ہے گریہ غالب ہوجاتا ہے کبھی شوق ومحبت میں سکر کی(۴) سی کیفیت رہتی ہے تو جن سالکوں پر ان احوال کا غلبہ نہیں ہوتا وہ پریشان رہتے ہیں کہ ہم کو ذکر سے کچھ فائدہ نہیں ہوا۔ لیجئے! آج میں اس کی حقیقت بتلاتا ہوں اور وہ علم ایک نیک بی بی کے خط کے آنے سے حاصل ہوا۔ انہوں نے لکھا ہے کہ یہاں

(۱) ’’جریدہ عالم پر ہمارا دوام لکھا ہوا ہے‘‘ (۲) کہ مرنے کے بعد بھی ان کا تذکرہ زندہ رہتا ہے (۳) حالات وکیفیات (۴) نشہ کی سی حالت ہوتی ہے۔

موت کثرت سے ہورہی ہے جس سے یہ تمام کاموں کو طبیعت چاہتی مگر مجھے خوف نہیں معلوم ہوتا نہ کچھ رقت طاری ہوتی ہے یہ حالت کیسی ہے ان کو تو میں نے ہی لکھ دیا کہ حالات مقصود نہیں بلکہ اعمال مقصود ہیں اگر اعمال میں کوتاہی نہ ہو تو ان حالات کے ہونے یا نہ ہونے کی کچھ بھی پروانہ کرنی چاہیے مگر اس کی حقیقت جو اسی وقت میرے دل پر منکشف ہوئی وہ ان کو نہیں لکھی کیونکہ وہ بات ان کی فہم سے زیادہ تھی اور اس حقیقت کے سمجھنے سے پہلے دو مقدمے سمجھ لیجئے ایک یہ کہ تمام سلوک کا مقصود حضرت حق میں فنا ہے (۱) یعنی اپنی صفات کو صفات حق میں فنا کردینا اور متخلق باخلاق اللہ (۲) ہونا یہ مقصود ہے۔ دوسرا مقدمہ یہ ہے کہ حضرت حق میں جو صفات ہیں ان سے مراد غایات ہیں مبادی نہیں۔ تفصیل اس کی یہ ہے کہ ہماری صفات کے دو درجے ہیں ایک مبدا ایک منتہی (۳) مبدا انفعال (۴) ہوتا ہے۔ مثلاً ہمارے اندر رحمت وشفقت کا مادہ ہے تو اس کا ایک مبدا ہے ایک منتہی ہے۔ مبداء یہ کہ کسی کی حالت اور مصیبت کو دیکھ کر دل دکھتا ہے دل پر اثر ہوا ہے یہ انفعال ہے اور منتہی یہ ہے کہ دل دکھنے کے بعد ہم نے اس شخص کے ساتھ ہمدردی کی اس کی اعانت کی یہ فعل ہے (۵) اور یہی مقصود بھی ہے۔ صفت رحمت سے اسی طرح حیا اور علم ورغبت وغیرہ تو حق تعالیٰ چونکہ انفعال اور تاثر سے پاک ہیں اس لیے ان کو جو رحمٰن الرحیم عفو غفور وغیرہ کہا جاتا ہے تو ان کی صفات میں صرف غایات مراد ہیں مبادی مراد نہیں (۶) ایک مقدمہ یہ ہوا۔ اب سمجھئے! کہ خوف اور محبت وغیرہ جو صفات ہیں ان کے اندر بھی دو درجے ہیں ایک مبدا دوسرا منتہی۔ مبدا وہی تاثر اور انفعال ہے کہ خدا کی عظمت وجلال کے خیال سے دل پر اثر ہوا رقت طاری ہوئی اور منتہی یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کی نافرمانی سے رک گئے یہ فعل ہے محبت کا مبدا یہ ہے کہ دل میں عشق کی دھن پیدا

---

(۱) اللہ کے سامنے اپنے کو مٹانا ہے (۲) اللہ کے تعلق کو اپنانا ہے (۳) ایک ابتداء ایک انتہاء (۴) ابتداء میں متاثر ہوتا ہے (۵) انتہائی حالت یہ ہے کہ ابتداء میں جس بات پر دل دکھا تھا اس کا مقتضا جو فعل تھا وہ کرلیا یعنی اس کی مدد کی (۶) اللہ تعالیٰ چونکہ متاثر نہیں ہوتے اس لیے وہاں پہلی حالت نہیں ہاں جو اس کا نتیجہ ہے کہ مغفرت ورحمت اور معاف فرمائیں وہ صفات پائی جاتی ہے۔

ہواور محبوب کے خیال میں محو ہو جائے یہ انفعال ہے اور منتہی یہ ہے کہ محبوب کی رضا جوئی اور خوشنودی کی طلب میں لگ جائے تو جس شخص کے اوپر خوف اور محبت کی کیفیت غالب نہ ہو مگر استقامت حاصل ہو کہ معاصی سے پوری طرح بچنے والا اور طاعات کا بجالانے والا ہو اس میں صفات کے مبادی نہیں پائے گئے بلکہ صرف غایات (۱) پائے گئے تو یہ شخص اصل متخلق باخلاق اللہ (۲) ہے اور جس پر ان کی کیفیات کا غلبہ ہو اس میں اول مبادی پائے گئے پھر غایات پائے گئے تو یہ شخص اس درجہ کا متخلق باخلاق اللہ نہیں ہے اس حقیقت کے انکشاف کے بعد سالکین کو معلوم ہو گیا ہو گا کہ جن احوال و کیفیات کے فقدان (۳) سے وہ پریشان ہوتے ہیں ان کا فقدان کوئی نقص نہیں بلکہ کمال یہی ہے کہ بدون غلبہ احوال کے استقامت (۴) حاصل ہو جو کہ مقصود ہے اس لیے اب ان چیزوں کی خواہش اور تمنا میں نہ پڑنا چاہیے اس میں حق تعالیٰ کی حکمت ہے کہ کسی کو غلبہ احوال عطا فرمایا اور کسی کو بدون اس کے ہی استقامت عطا فرمادی، کسی پر خوف کا غلبہ ہے وہ رو رہا ہے کسی پر رجاء کا غلبہ ہے وہ ہنس رہا ہے، کسی پر طلب اور شوق غالب ہے وہ بے چین ہے اور کسی پر کوئی حال غالب نہیں وہ سادگی کے ساتھ اعمال مقصودہ میں لگا ہوا ہے یہ سب خدا ہی کے بنائے ہوئے ہیں ایک کو دوسرے کے حال کی طلب نہ کرنا چاہیے:

بگوش گلچہ سخن گفتہ کہ خندان است — بعندلیب چہ فرمودہ کہ نالان است (۵)

اگر حق تعالیٰ نے صاحب اضطراب (۶) بنایا ہے تو سکون کے طالب نہ بنو! اور صاحب سکون بنایا ہے تو اضطراب کے طالب نہ بنو! اب جو لوگ کام کرتے ہیں ان سے پوچھو کہ یہ علم کس قدر عظیم ہے اس سے ان کی آنکھیں کھل گئی ہوں گی اور پریشانی اور غم کا پہاڑ دل سے ہٹ گیا ہو گا کیونکہ سالکین کو ذرا ذرا سی بات سے رنج و غم ہونے لگا ہے اگر کچھ بھی شبہ اس کا ہو جائے کہ ان کی محبت میں یا طلب میں کمی ہے تو بس ان پر غم کا

(۱) خوف اور محبت میں دونوں باتیں ہیں جس میں ابتدائی کیفیت نہ ہو بلکہ مستقل مزاجی سے عمل کرتا ہو جو منتہاء کا مقصود ہے اس کو مقصود حاصل ہے (۲) یہ شخص اخلاق اللہ سے متصف ہے (۳) نہ ہونے سے (۴) مستقل مزاجی (۵) ''پھول کے کان میں کیا فرمادیا کہ خنداں ہے بلبل سے کیا فرمادیا کہ نالاں ہے'' (۶) بیقرار۔

پہاڑ ٹوٹ پڑتا ہے۔

بردل سالک ہزاراں غم بود گرزباغ دل خلالے کم بود(۱)

یہ علوم اور حقائق وہ چیزیں ہیں کہ سالکین ان کے سامنے ہفت (۲) اقلیم کی بھی حقیقت نہیں سمجھتے۔ اب میں غور کرتا ہوں اگر میرے پاس ہزار گاؤں ہوتے تب بھی جو مسرت اس وقت مجھ کو اس علم کے حاصل ہونے سے ہوئی میں سچ کہتا ہوں کہ ہزار گاؤں کے اس کے سامنے کچھ حقیقت نہیں۔ خلاصہ یہ کہ اگر کسی پر خوف وشوق کا غلبہ نہ ہو مگر استقامت اعمال نصیب ہوگئی ہے اس کو بے فکر رہنا چاہیے مگر سامان کرنے کے بعد۔

حقیقت استقامت

کیونکہ اگر اعمال کے اہتمام کا سامان نہ کیا تو پھر استقامت (۳) فوت ہوجائے گی۔ مثلاً ایک شخص کی یہ کیفیت ہے کہ اس کی آنکھ تہجد کے قت بلاناغہ کھل جاتی ہے اس کے دل میں کیفیت شوقیہ ایسی ہے کہ وقت پر مجبوراً اٹھا کر بٹھا دیتی ہے اور دوسرے شخص پر یہ کیفیت غالب نہیں مگر وہ ہر روز تہجد کا سامان کر کے لیٹتا ہے لوٹا اور جانماز پاس رکھ لیتا ہے شام کو کھانا بھی کم کھاتا ہے تاکہ اٹھنے میں اعانت ہو عشاء کے بعد فوراً ہی سو بھی رہتا ہے۔ اذکار ادعیہ پڑھ کر سوتا ہے اگر اس کی نماز تہجد کی کسی دن قضا بھی ہوجائے تو یہ استقامت کے خلاف نہیں اور نہ یہ شخص پہلے شخص سے کچھ ثواب میں کم ہے کیونکہ ہمیشہ بلاناغہ اٹھنا اس کے اختیار سے نہیں ایک کیفیت شوقیہ اس پر مسلط ہے وہ اٹھادیتی ہے اور یہ شخص کیفیت سے خالی ہے مگر جتنا سامان کرنا اس کے قبضہ میں تھا وہ سب کر لیتا ہے پھر بھی اگر کسی دن تہجد اس کا ناغہ ہوجاوے تو یہ اس کے اختیار سے باہر ہے۔ امید یہ ہے کہ اس کو اس دن بھی تہجد کا ثواب ملے گا اور کبھی کبھی تہجد کا ناغہ ہوجانا بشرطیکہ سامان اٹھنے کا ہمیشہ کرتا ہو استقامت کے منافی نہیں بلکہ میں ترقی کر کے کہتا ہوں

(۱) ”سالک کے دل میں ہزاروں غم ہوتے ہیں اگر باطنی حالت میں ذرا برابر کمی پاتا ہے“ (۱) ساتوں اقالیم (۲) مستقل مزاجی

کہ اگر ایک شخص جاگنے کا سامان کر کے سوجائے یا اس کی فرض نماز بھی قضا ہوجائے تب بھی اس پر ملامت نہیں، نہ یہ بات استقامت کے خلاف ہوگی۔حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے زیادہ کون صاحب استقامت ہوگا۔لیلۃ التعریس میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی فجر کی نماز قضا ہوگئی تھی واقعہ یہ ہوا کہ ایک بار قافلہ رات کو چل رہا تھا اور گرمیوں کے موسم میں اہل عرب اکثر رات کو سفر کرتے ہیں۔اخیر شب میں آپ منزل پر پہنچے اور اس وقت تک صبح ہونے میں ذرا دیر تھی۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ کوئی شخص ایسا ہے جو صبح کی نماز کے لیے ہم کو جگادے اور ہم سورہیں حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وعدہ کیا آپ جاگنے کا پورا سامان کر کے بے فکر سورہے۔حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے کجاوہ سے پشت لگا کر مشرق کی طرف منہ کر کے بیٹھے رہے کہ صبح ہوتے ہی اذان دوں گا کہ حق تعالیٰ نے ان پر نیند غالب کردی وہ بھی بیٹھے بیٹھے ہی سو گئے۔ یہاں تک کہ آفتاب نکل آیا اور کوئی نہ جاگا سب سے پہلے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آنکھ کھلی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سب کو جگایا، صحابہؓ کو صبح کی نماز قضا ہونے کا قلق ہوا مگر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قلق (۱) نہیں ہوا کیونکہ آپ جانتے تھے کہ جتنا کام ہمارے قبضہ کا تھا وہ ہم کر چکے تھے کہ ایک معتبر شخص کو جگانے کے لیے مقرر کردیا اس پر بھی اگر نماز قضا ہوگئی اور اتفاق سے وہ شخص بھی سو گیا تو وہ محض تقدیری امر ہے اب اس پر قلق کرنا مشیت (۲) الٰہی کا مقابلہ کرنا ہے۔ ہاں! اگر طبعی قلق ہے تو مضائقہ نہیں تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی یہ فرما کر تسلی کی: ’’لَا تَفْرِيطَ فِي النَّومِ اِنَّمَا التَّفْرِيط فِي الْيَقْظَةِ‘‘(۳) کہ نیند میں اگر کچھ کوتاہی ہوجائے وہ کچھ کوتاہی نہیں کوتاہی وہی ہے جو کہ بیداری میں ہو اور یہ نماز تمہاری بیداری میں قضا نہیں ہوئی سوتے ہوئے میں قضا ہوئی اس پر کوئی ملامت نہیں کیونکہ سونے کی حالت میں انسان بے اختیار ہوجاتا ہے۔ البتہ سونے سے پہلے جاگنے کا سامان اپنی وسعت کے موافق کرنا ضرورت تھا۔سو وہ تم کر چکے تھے سامان کرنے کے بعد بھی جب نماز قضا ہوگئی تو اس پر قلق کی ضرورت نہیں یہ تقدیری امر تھا۔

(۱) رنج (۲) رضا الٰہی (۳) مسند احمد ۵ / ۲۹۸، النہایہ ۶ / ۱۱۴، سنن الدار قطنی: ۶ / ۱۴۴

حلِ اشکال

شاید کسی کو شبہ ہو کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نیند تو اونگھ کے مشابہ تھی آپ کو گہری نیند نہ آتی تھی۔ حتٰی کہ آپ کا وضو بھی سونے سے نہ ٹوٹتا تھا کیونکہ آپ کی آنکھیں سوتی تھیں اور دل جاگتا تھا تو پھر آپ کی نماز کیسے قضا ہوگئی؟ جواب یہ ہے کہ ممکن ہے اس روز حق تعالیٰ نے قضا نماز کے احکام مشروع فرمانے کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اوپر کوئی کیفیت استغراقیہ(۱) غالب فرمادی ہو کہ مشاہدہ جمال حق(۲) میں وقت کی خبر نہ ہوئی اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نماز قضا ہوجانے میں بہت سی حکمتیں تھیں ایک تو یہی حکمت ہوئی کہ آپ نے قضا نماز کے احکام مقرر فرمادیئے۔ دوسرے بعد والوں کو تسلی ہوگئی کہ اگر کسی کو اتفاقی طور پر امت میں ایسی صورت پیش آجائے تو وہ غم سے ہلاک نہ ہوجائیں۔ اس واقعہ سے ان کو تسلی ہوجاوے گی کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی ایسا اتفاق پیش آیا ہے۔ غرض اس طریق میں ناامیدی اور مایوسی کا نام نہیں، قدم قدم پر تسلی موجود ہے اور مولانا تو دل کھول کر فرماتے ہیں:

کوئے نومیدی مرو کامید ہاست　　سوئے تاریکی مرو خورشید ہاست(۳)

ہاں! جہل کا کچھ علاج نہیں کہ کوئی خواہ مخواہ اس غم میں پڑے کہ ہائے میرے اندر خوف کا غلبہ نہیں شوق اور اضطراب نہیں۔ بس مقصود یہ ہے کہ اعمال میں مشغول ہونا چاہیے ان میں کمی نہ کرو پھر اس کی کچھ پرواہ نہیں کہ رونا آتا ہے یا نہیں، خوف کا غلبہ ہے یا نہیں، بس کام میں لگو اور زیادہ کاوش مت کرو! اب لوگ یہ تو کرتے نہیں فضول کاوشیں کرتے ہیں جن سے کوئی فائدہ نہیں بلکہ اور پریشانی بڑھتی ہے۔

---

(۱) ایسی کیفیت طاری کردی جس میں آپ محو ہوگئے ہوں (۲) شاید اللہ کی صفت جمال آپ پر منکشف ہوگئی ہو جس کی وجہ سے وقت کی خبر نہ ہوں (۳) ''ناامیدی کی راہ نہ جاؤ بہت سی امیدیں ہیں، تاریکی کی راہ نہ چلو بہت سے آفتاب ہیں''

صورت مصیبت

اب میں اصل اشکال کے جواب کی طرف عود کرتا ہوں۔ اشکال یہ تھا کہ گناہ نہ کرنے والوں کو بھی بلاء اور مصیبت پیش آتی ہے اور آیت: وَمَآ أَصَٰبَكُم مِّن مُّصِيبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتۡ أَيۡدِيكُمۡ (۱) سے معلوم ہوتا ہے کہ مصیبت گناہوں سے آتی ہے اس کا ایک جواب تو میرے پہلے بیان سے معلوم ہو چکا کہ گناہ سب کرتے ہیں جن کو تم بے گناہ سمجھتے ہو ان سے بھی ان کے درجہ کے موافق گناہ ہوتے ہیں۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ جو گناہ بھی نہیں کرتے وہ مداہنت کرتے ہیں کہ دوسروں کو گناہ کرتے دیکھتے ہیں اور ان کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر نہیں کرتے ان سے اور کوئی گناہ نہیں ہوا تو مداہنت (۲) بھی ایک گناہ ہے جس میں نیک لوگ اکثر مبتلا ہو جاتے ہیں۔ الا ماشاء اللہ نصیحت اور صاف گوئی کا مادہ آج کل نیک لوگوں میں بہت کم ہو گیا ہے اور جو ایسے بھی نہ ہوں تو ان کے لیے تیسرا جواب یہ ہے کہ وہ وَمَآ أَصَٰبَكُم مِّن مُّصِيبَةٍ میں داخل نہیں ہیں جس کو آپ مصیبت سمجھتے ہیں وہ اس کو مصیبت ہی نہیں سمجھتے اس میں ان کو وہ لذت آتی ہے کہ انہی کا دل جانتا ہے۔بس ان کے لیے صورت مصیبت ہوتی ہے حقیقت مصیبت نہیں ہوتی کیونکہ مصیبت کی حقیقت یہ ہے کہ دل میں الجھن اور پریشانی ہو اور ایسے لوگوں کو تکلیف میں بھی سکون واطمینان اور روحانی لذت حاصل ہوتی ہے۔ چنانچہ اگر محبوب چٹکی لے، عاشق کے دل سے پوچھو کہ وہ کیا چاہتا ہے وہ تو اس کی چٹکی کی لذت ایسا مست ہوگا کہ یوں چاہے گا کہ بار بار چٹکی لیے جائے تو اہل اللہ کو دیکھ لو ان کو مصائب میں میں ذرا بھی پریشانی میں ہوتی وہ تو زبان حال سے کہتے ہیں:

درد از یارست و درماں نیز ہم　　دل فدائے اوشد وجاں نیز ہم (۳)

پس اس آیت کے مخاطب گنہگار لوگ ہیں اور مطلب یہ ہے کہ جہاں مصیبت ہے وہاں گناہوں کی وجہ سے ہے اور جہاں گناہ نہیں وہاں مصیبت بھی نہیں۔ گو ظاہر میں دیکھنے والوں کو مصیبت نظر آوے مگر خود اس شخص کو وہ نعمت اور لذت معلوم ہوگی اس

(۱) الشوریٰ: ۳۰ (۲) گناہ ہوتے دیکھنا اور منع نہ کرنا (۳) ''درد محبوب کی طرف سے ہے اور علاج بھی انہی کی طرف ہے دل ان پر فدا ہے اور جان بھی''

اعتراض کا جواب تو بخوبی ہوگیا اور یہ دوسرا مضمون تھا۔

زیادتی عتاب

اب ایک اور اعتراض کا جواب دینا چاہتا ہوں اور وہ تیسرا مضمون ہے اور یہ اعتراض بظاہر سخت ہے وہ یہ کہ تم دعویٰ کرتے ہو کہ یہ بیماری ومصیبت گناہوں سے آتی ہے اگر یہ بات ہے تو پھر مسلمانوں میں بیماری زیادہ کیوں ہے؟ کیونکہ سنا جاتا ہے کہ اس سال مسلمانوں میں بیماری زیادہ ہے۔ ہندوؤں میں کم ہے ہمیں تو خبر نہیں مگر سنا ہے ممکن ہے کسی نے شمار کیا ہو کہ مسلمانوں میں زیادہ ہے اس کا جواب اگرچہ یہ بھی ہوسکتا تھا کہ ثبوت بیان کرو اور جس نے شمار کیا ہو اس سے پوچھو کہ کیا تو نے تمام شہروں میں جاکر شمار کیا ہے کہ مسلمان اس بیماری میں زیادہ مرے ہیں مگر ہم ایسا جواب دیتے ہیں جس کے لیے شمار کی ہم کو ضرورت ہی نہیں ہے مگر جواب سے پہلے میں یہ ضرور کہوں گا کہ جو لوگ یہ اعتراض کرتے ہیں ان کو خدا کے معاملات کی تو کیا خبر ہوگی معلوم ہوتا ہے کہ ان کو اپنے معاملات کی بھی خبر نہیں۔ کیا آپ نہیں دیکھتے کہ ایک شخص تو وکیل ہے اگر وہ کچہری میں پیشاب کردے تو سخت معتوب (۱) ہوگا کیونکہ بعید نہیں کہ وکالت سے معزول کردیا جائے اور ایک عام شخص ہے وہ اگر پیشاب کردے تو بہت سے بہت حاکم دو روپیہ جرمانہ کردے گا مگر وکیل کے برابر معتوب نہ ہوگا۔ آخر کیا وجہ ہے کہ ایک ہی فعل وکیل نے بھی کیا اور اجنبی شخص نے بھی کیا مگر وکیل پر اس درجہ عتاب اور اجنبی پر اس کا آدھا بھی نہیں؟ فرق یہ ہے کہ وہ حاکم کا مقرب اور خاص تھا، یہ حرکت اس کی شان سے بہت نازیبا تھی، وہ حاکم کے مزاج اور قوانین سے بخوبی واقف تھا اور دوسرا ایک اجنبی غیر آدمی تھا وہ تو رات دن میں اس وقت کی بدتہذیبی دن میں پچاس دفعہ کرتا رہتا ہے اور اس پر اتنا عتاب نہیں ہوتا تو اس سے اگر کوئی یہ سمجھنے لگے کہ وکیل بہت بڑا مجرم ہے اور یہ دیہاتی مجرم نہیں تو یہ سراسر حماقت ہے۔ مجرم تو وہ دیہاتی وکیل سے بہت زیادہ ہے کیونکہ اس کم بخت کو حاکم کی عظمت وقعت کا حال کچھ معلوم نہیں۔ یہی اس کی بڑی خطا ہے اور اس

(۱) سزاوار ٹھہرے گا۔

معرفت و تعظیم کے وصف میں وکیل اس سے افضل ہے مگر خصوصیت کی وجہ سے اس پر عتاب زیادہ ہوا۔

نفع عتاب

اسی طرح یہاں سمجھئے! کہ اگر بیماری اور مصیبت مسلمانوں میں زیادہ بھی ہو تو اس سے یہ لازم نہیں آسکتا کہ مسلمان ان سے زیادہ گنہگار ہیں ہرگز نہیں، کفار کا سب سے بڑا جرم ایک یہی ہے کہ ان کو حق تعالیٰ کی عظمت کی خبر نہیں مگر بیماری اور مصیبت مسلمانوں پر اس لیے زیادہ آئی کہ یہ خدا کے خاص بندے ہیں پھر خاص ہو کر اگر کوئی کام خلاف مرضی کریں گے تو ان پر عتاب زیادہ ہوگا لیکن مسلمانوں کی اس خصوصیت سے یہ شبہ نہ کیا جاوے کہ ان کو یا ان کے بزرگوں کو خدائی کارخانہ میں بھی کچھ تصرف کرنے کا حق ہوگا۔ جیسا کہ دنیاوی حکام کے خاص دوستوں کو ان کے مزاج میں دخل ہوا کرتا ہے کہ وہ حاکم سے بعض دفعہ کہہ سن کر جو چاہے کرا لیتے ہیں۔ سو بات یہ ہے کہ حق تعالیٰ کی محبت اور عنایت سب اختیار سے ہے۔ اضطرار سے نہیں ہے اس لیے ان پر کسی کی خصوصیت اور تقرب کا اثر نہیں ہو سکتا کہ وہ جو چاہیں تصرف کرا لیں اور دنیوی حکام کو بعض دفعہ اپنے مخصوصین سے اضطراری تعلق ہو جاتا ہے اس لیے وہ مزاج میں دخیل ہو جاتے ہیں۔ پس یہاں سے ان لوگوں کی غلطی ظاہر ہوگئی جو بعض بزرگوں کو یوں سمجھتے ہیں کہ وہ حق تعالیٰ سے کہہ کر جو چاہے کرا لیتے ہیں اور معاذ اللہ اولاد یا رزق وغیرہ ان کے اختیار میں ہے یہ بالکل غلط ہے۔ خدا پر کسی کو کچھ اختیار نہیں یہ بھی حق تعالیٰ کی عنایت ہے کہ وہ کسی کو اپنا مقرب بنالیں ورنہ اس میں بھی کسی کا کچھ زور نہیں۔ انبیاء علیہم السلام سے زیادہ کون مقبول و مقرب ہوگا؟ حق تعالیٰ نے بعض دفعہ ان کی بھی دعا قبول نہیں فرمائی۔ ایک جواب اس کا اور بھی ہے کہ کفار کے لیے بہت سخت مصیبت تجویز کی گئی ہے مگر ان کو مہلت دیدی گئی ہے یہاں ان کو راحت و آرام میں چھوڑ دیا گیا ہے تا کہ اچھی طرح پیٹ بھر کے نافرمانی اور گناہ کر لیں پھر اکٹھی سزا ہوگی۔ مسلمانوں کو

مہلت نہ دیا اور کفار کو مہلت دے دینا یہ بھی اس کی دلیل نہیں کہ کفار مسلمانوں سے اچھے ہیں۔ دیکھئے! ایک بچہ سے استاد کو محبت ہوتی ہے اس کی ذرا ذرا سی بات پر تنبیہ اور روک ٹوک کرتا رہتا ہے اور جس سے محبت نہیں ہوتی اس کی ہر بات پر روک ٹوک نہیں کرتا، غصہ آتا ہے مگر خاموش رہتا ہے کسی دن اکٹھی خبر لے لوں گا۔ اب اگر یہ بیوقوف یوں سمجھے کہ میاں جی فلاں کو تو روز دھمکاتے رہتے ہیں اور میں اتنی خطائیں کرتا ہوں مجھے کچھ نہیں کہتے تو مجھ سے ان کو زیادہ محبت ہے یہ اس کی حماقت ہے کیونکہ جب یہ اس سے زیادہ جرم کر رہا ہے تو زیادہ محبوب کیسے ہوسکتا ہے۔ یقیناً اسے کچھ نہ کہنا اس کی دلیل سمجھی جائے گی کہ اس سے میاں جی کو محبت نہیں اس لیے ہر بات پر روک ٹوک نہیں کرتے تاکہ عین وقت پر اس کے جرائم زیادہ ثبات ہوں اور اس کی پوری خبر لیں۔

حکمت تنبیہ

حدیث میں آیا ہے کہ مسلمان کی ایسی مثال ہے جیسے گیہوں وغیرہ کا درخت کہ وہ اول اول کمزور ہوتا ہے پھر بڑھتا ہے تو باریک تنا پر کھڑا ہوجاتا ہے، ہواؤں کے جھونکے سے کبھی گر بھی جاتا ہے پھر سیدھا ہوجاتا ہے اسی طرح مسلمان پر طرح طرح کے مصائب آتے رہتے ہیں جنسے اس کو تنبیہ ہوتی رہتی ہے تاکہ وہ توبہ واستغفار کر کے پھر سیدھا ہوجاوے اور کافر کی مثال درخت صنوبر جیسی ہے کہ وہ جب سے پیدا ہوتا ہے مضبوطی کے ساتھ سیدھا رہتا ہے یہاں تک کہ لمبا ہوجاتا ہے مگر جب کبھی گرتا ہے تو جڑ تک اکھڑ جاتی ہے، پھر نہیں اٹھ سکتا اسی طرح کافر کو دنیا میں مصائب کم پیش آتے ہیں اس لیے اس کو توبہ استغفار کی نوبت نہیں آتی، پھر جب آتی ہے تو ایسی آتی ہے کہ اٹھنا نصیب نہیں ہوتا، اوندھے منہ جہنم میں پہنچتا ہے۔ اہل سیر نے لکھا ہے کہ فرعون کو چار سو برس کی عمر میں ایک دن دردسر بھی نہیں ہوا، ہمیشہ راحت وآرام میں رہا، کمبخت کو خدا کی یاد کا ایک دن بھی خیال نہ آیا کیونکہ اکثر خدا کو مصیبت ہی میں یاد کیا جاتا ہے پھر حق تعالیٰ

نے اس کو ایک دم سے پکڑا اور تمام قوم کو مع فرعون کے دریا برد[1] کر دیا۔ اس کو فرماتے ہیں: وَكَذَٰلِكَ أَخْذُ رَبِّكَ إِذَآ أَخَذَ ٱلْقُرَىٰ وَهِىَ ظَٰلِمَةٌ ۚ إِنَّ أَخْذَهُۥٓ أَلِيمٌ شَدِيدٌ[2] تمہارے پروردگار کی پکڑ جبکہ وہ کافر بستیوں کو پکڑتا ہے ایسے ہی دفعتاً ہوتی ہے بیشک خدا کی پکڑ بہت دردناک اور سخت ہوتی ہے۔

مسلمانوں پر زیادہ مصائب آنے کا راز

دوسری جگہ فرماتے ہیں: إِنَّ بَطْشَ رَبِّكَ لَشَدِيدٌ[3] تو مسلمانوں کے اوپر جو زیادہ مصیبتیں آتی ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ حق تعالیٰ ان کو دفعتاً پکڑنا نہیں چاہتے بلکہ منظور یہ ہے کہ وہ اپنی غلطیوں پر بار بار متنبہ ہوکر اپنی اصلاح پوری کرلیں اور کافروں کو ایک دم سے پکڑنا منظور ہے اس لیے ان پر مصائب کم آتے ہیں ایک راز کفار پر کم مصیبتیں آنے کا یہ بھی ہے کہ ان کے لیے آخرت میں کفر کی وجہ سے دائمی عذاب جہنم کا تیار ہے تو ان کے واسطے کفر ہی کی سزا اتنی سخت ہے کہ اب ان کی دوسری خطاؤں پر سزا دینے کی ضرورت نہیں۔ دیکھئے! ایک شخص سرکاری باغی ہو جس کے لیے پھانسی کا حکم تجوزی ہوگیا اور کسی مصلحت سے چند روز کے لیے اس کو قید خانہ میں بھیج دیا جائے اور وہاں جاکر وہ قیدیوں سے لڑے کسی کو گالی دے کسی کو مارے پیٹے تو اس کو جس وقت پھانسی دی جائے گی اس وقت قیدیوں سے لڑنے کی الگ سزا نہ دی جائے گی اور نہ جرم اس پر قائم کیا جائے گا کیونکہ اس کے اوپر بغاوت ہی کا جرم اتنا سنگین قائم ہے کہ اس کی سزا میں جان لی جاوے گی تو اس کے ان چھوٹے چھوٹے جرائم پر نظر نہیں کی جاتی اسی لیے اکثر باغی لوگ قید خانہ میں جاکر بڑے بڑے فرعون بے سامان ہوجاتے ہیں اور یہی راز ہے علماء حنفیہ کے اس قول کا کہ کفار مخاطب بالفروع نہیں یعنی کفار کو آخرت میں نماز پڑھنے اور زکوٰۃ نہ دینے اور زنا وغیرہ کرنے کے سبب سے مستقل عذاب نہ ہوگا۔ اس کا یہ

(۱) دریا میں غرق کر دیا (۲) سورۂ ھود: ۱۰۲ (۳) سورۃ البروج: ۱۲

مطلب نہیں کہ خدا ان کے زنا وغیرہ سے راضی ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ ان کی ساری خطائیں کفر کے اندر داخل ہیں ایک کفر ہی کا عذاب اتنا سخت ہے کہ اسی میں سب خطاؤں کو سزا ہوجائے گی ان کے عوض میں جداگانہ سزا نہ ہوگی اور مسلمانوں کے لیے چونکہ ایمان کی وجہ سے آخرت میں ہمیشہ کے لیے جنت اور راحت لکھی ہوئی ہے اس لیے دوسرے احکام میں کوتاہی کرنے کی وجہ سے ان کی دنیا ہی میں سزا دے دی جاتی ہے تاکہ ان سے توبہ کرکے پاک صاف ہوکر جنت میں چلا جاوے اوراگر کسی مسلمان کو باوجود گناہوں کے دنیا میں مصیبت پیش نہ آئے تو یہ حالت اندیشہ ناک ہے[1] اس کے واسطے خوف ہے کہ کچھ عذاب جہنم کا بھی ہو۔ لیجئے اب تو آپ تمنا کرتے ہوں گے کہ جو کچھ سزا ہونی ہو دنیا ہی میں مصیبتیں آجائیں آخرت میں جہنم کا عذاب نہ ہو۔ حدیث میں ہے کہ آخرت میں جب مصیبت والوں کو بڑے بڑے درجے ملیں گے تو اس وقت راحت وآرام والے تمنا کریں گے کاش دنیا میں ہماری کھال قینچیوں سے کاٹی جاتی تاکہ آج ہم کو بھی یہ درجے ملتے۔ الحمدللہ کہ سب اشکالات کا جواب کافی طور پر ہوگیا۔

خلاصہ

اب میں بیان ختم کرنے والا ہوں اور چند باتیں خلاصے کے طور پر بیان کرتا ہوں سارے بیان کا خلاصہ یہ باتیں ہیں۔

۱۔ گناہوں کی وجہ سے مصائب آتے ہیں جس کا بیان اس آیت میں کیا گیا ہے: وَمَآ أَصَٰبَكُم مِّن مُّصِيبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ أَيْدِيكُمْ[2] جس سے میں نے بیان شروع کیا تھا۔

۲۔ گناہوں کا علاج توبہ واستغفار ہے مگر گناہ کا طریقہ استغفار جدا ہے جو فوت شدہ طاعات ہیں ان کی قضا کریں جیسے کسی کے ذمہ قضا نماز یا قضا روزے ہوں یا پچھلے سالوں کی زکوٰۃ ذمہ ہو ان کو ادا کریں اور جو ذنوب ہیں[3] ان سے خالص توبہ کریں اور

(۱) خطرناک (۲) ''جو مصیبت تمہیں پہنچتی ہے وہ تمہارے ہی ہاتھ کے لیے ہوئے کاموں سے پہنچتی ہے'' الشوریٰ: ۳۰ (۳) گناہ۔

آئندہ کے لیے چھوڑ دینے کا پختہ اردہ کریں اور حقوق العباد اگر ضائع ہوئے ہوں تو ان کو ادا کریں یا اہل حق سے معافی چاہیں اور خدا سے بھی ان کے بارے میں سچی توبہ کریں اور یہ پہلا مضمون تھا۔

۳۔ گناہوں سے مصیبت آنے پر دو شبہات تھے ان کے جواب دیئے گئے تھے ایک شبہ یہ تھا کہ نیک لوگوں پر کیوں مصائب آتے ہیں اس کے چند جواب دیئے گئے یہ کہ گناہ ان سے بھی ہوتے ہیں۔ دوسرے اگر گناہ بھی نہ ہوں تو ان سے مداہنت (۱) ہوجاتی ہے۔ تیسرے اگر یہ بھی نہ ہو تو پھر وہ مصیبت ان کے حق میں صورت مصیبت ہوتی ہے۔ حقیقت میں مصیبت نہیں ہوتی کیونکہ اس سے ان کو پریشانی لاحق نہیں ہوتی، جسم کو گو تکلیف محسوس ہو مگر روح کو لذت اور دل کو سکون ہوتا ہے اور یہ دوسرا مضمون تھا۔

۴۔ ایک شبہ یہ تھا کہ کفار کو مصیبت کیوں نہیں آتی یا کم کیوں آتی ہے اس کا جواب یہ دیا گیا کہ ان کے لیے ایک سخت مصیبت تیار ہے مگر یہاں ان کو مہلت دی گئی ہے اور یہ تیسرا مضمون تھا۔ اب حق تعالیٰ سے دعا کیجئے کہ مسلمانوں کے اوپر سے سب بلاؤں اور مصیبتوں کو دفع فرمائیں اور ہم کو پچھلے گناہوں سے توبہ واستغفار کی توفیق عطا ہو اور آئندہ کے لیے اتباع احکام اور ترک معاصی کی ہمت نصیب ہو۔ آمین ثم آمین۔

وصلی اللّٰہ تعالیٰ وسلم علی خیر خلقه سیدنا و مولانا محمد صلوة تنجینا بها من جمیع الاهوال و الافات و تقضی لنا بها جمیع الحاجات و تبلغنا بها اقصی الغایات من جمیع الخیرات فی الحیات و بعد الممات انک علی کل شئ قدیر۔ و علیٰ اٰله و اصحابه کما یحب و یرضیٰ ربنا امین۔

(۱) گناہ ہوتے دیکھ کر صرف نظر کرنا

عرضِ جامع

جامع وعظ ہذا احقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ عرض کرتا ہے کہ یہ وعظ جن ایام میں بیان ہوا تھا اس وقت موسمی بخار بلائے عام کی طرح تمام ہندوستان میں پھیلا ہوا تھا اور جس ہفتہ میں یہ بیان ہوا اسی ہفتہ میں حضرت حکیم الامت دامت برکاتہم کی بھتیجی محترمہ زبیدہ خاتون مرحومہ کا انتقال ہوگیا تھا اس وقت حضرت کے دل پر بھی ایک خاص صدمہ تھا اس لیے سامعین پر بھی اس بیان کا بہت گہرا اور اچھا اثر ہوا۔ گویا موت کا سب کو اشتیاق معلوم ہوتا تھا بعض احباب نے اسی وقت تقاضا کیا تھا کہ یہ وعظ جلد صاف ہوجائے تو اس مصیبت عام میں مسلمانوں کے لیے باعث سکون ہو۔ چنانچہ میں نے اسی وقت اس کو صاف کرنا شروع کردیا تھا اور قریب نصف کے صاف بھی کرلیا تھا مگر بعض عوارض کی وجہ سے پورا نہ ہوسکا، پھر میں ہمشیرہ مرحومہ مذکورہ الصدر کا حج بدل کرنے چلا گیا، خدا اس کو ان کے لیے قبول فرمائے۔ اس لیے زیادہ تاخیر ہوگئی۔ چنانچہ اب ذوالحجہ سنہ ۳۸ھ میں اس کو پورا کیا اور اتفاقی بات کہ اس وقت بھی مسلمانوں کو عام مصائب کا سامنا ہورہا ہے اس لیے امید ہے کہ موجودہ مصائب میں بھی ان شاء اللہ یہ وعظ مسلمانوں کے لیے بہت کچھ سکون واطمینان کا باعث ہوگا اور جو طریقہ مصائب کے دفع ہونے اور بلیات سے بچنے کا اس میں بتایا گیا ہے امید ہے کہ سب مسلمان اس کو اپنا نصب العین بنائیں گے اور اس پر کاربند ہوں گے کیونکہ جو تدبیر اس میں بتلائی گئی ہے وہ ہمارے اختیار میں ہے اور دوسری جن تدابیر میں مسلمان اس وقت مشغول ہورہے ہیں وہ ان کے اختیار سے باہر ہیں۔ اور حدیث میں آیا ہے:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا یَنْبَغِیْ لِلْمُؤْمِنِ اَنْ یُّذِلَّ نَفْسَہٗ قَالُوْا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ وَکَیْفَ یُذِلُّ نَفْسَہٗ قَالَ تَحْمِلُ مِنَ الْبَلَاءِ مَا لَا یُطِیْقُہٗ فَیُذِلُّ نَفْسَہٗ (۱)

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ مسلمان کو یہ نہ چاہیے کہ اپنے آپ کو (خواہ مخواہ) ذلیل کرے۔ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آدمی اپنے

(۱) سنن الترمذی: ۲۲۵۴، سنن ابن ماجہ: ۴۰۱۶، مجمع الزوائد: ۷/ ۱۴۷

آپ کو (خود) کیوں کر ذلیل کیا کرتا ہے آپ ﷺ نے فرمایا کہ وہ (بعض دفعہ) ایسی بڑی بلا اپنے اوپر لاد لیتا ہے جس کی برداشت کی اس میں طاقت نہیں ہوتی تو (خواہ مخواہ) اپنے آپ کو ذلیل کر دیتا ہے۔ پس جو تدابیر آج کل عام مسلمان مصائب کے دفع کرنے کے لیے کر رہے ہیں ذرا غور کر لیا کریں کہ یہ باتیں ان کے اختیار میں بھی ہیں جو وہ تجویز کر رہے ہیں اور جن بلاؤں کو اپنے اوپر لاد رہے ہیں ذرا سوچ لیں کہ ان کے تحمل کی بھی طاقت ہے یا نہیں اگر تحمل کی طاقت نہ ہو تو خوامخواہ اپنے آپ کو ذلت میں نہ ڈالیں اور اس وعظ کی تدابیر کو جو کہ اختیاری ہیں حرز جان بنائیں۔ اخیر میں یہ درخواست ہے کہ حضرت حکیم الامت کی بھتیجی مرحومہ کے لیے سب ناظرین دعا فرمائیں کہ حق تعالیٰ ان کی مغفرت کاملہ فرمائیں اور درجات عالیہ عطا فرمائیں۔

مغفرت ہو اور خاطر خواہ ہو قرب ازواج رسول اللہ ہو
وہ ہوں اور نعمائے جنت بالدوام وہ ہوں ور آغوش رحمت والسلام

اور اس احقر کے لیے بھی دعاء حسن خاتمہ وتا حیات توفیق مرضیات واستقامت علی الطاعات واجتناب معاصی (۱) کی دعا فرمائیں اور نیز یہ کہ حق تعالیٰ ہم سب کو اپنی کامل محبت اور کامل اتباع شریعت اور شرور فتن سے حفاظت دنیا میں، سیدنا رسول اللہ ﷺ کی معیت آخرت میں اور حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی اور تمام مشائخ کرام کا سایہ عاطفت ہمارے سروں پر ہمیشہ رہے۔ آمین والحمد للہ رب العالمین والسلام علی المرسلین۔ (۲)

(۱) مستقل مزاجی سے عبادت کرنے اور گناہوں سے بچنے کی پوری زندگی توفیق ہو (۲) عجیب اتفاق ہے کہ جب وعظ کہا گیا اس وقت عام بخار پھیلا ہوا تھا جب مولانا ظفر احمد صاحب رحمۃ اللہ نے صاف کر کے نقل کیا اس وقت بھی لوگ مصائب میں گھرے ہوئے تھے اور اب جبکہ ۱۰۶ سال بعد یہ وعظ جدید حواشی کے ساتھ آپ کی خدمت میں پیش کیا جا رہا ہے تو پاکستان کے عوام مختلف مصائب کا شکار ہیں ڈینگی بخار ہر طرف پھیلا ہوا ہے ملک کے اکثر حصوں میں سیلاب نے تباہی پھیلائی ہوئی ہے ملکی معیشت تباہ حال ہے غور کیا جائے تو یہ سب ہمارے گناہوں کی سزا ہے۔ آج بھی اس مصیبت سے چھٹکارے کا علاج وہی ہے گناہوں سے توبہ استغفار لاحول ولاقوۃ الا باللہ کثرت سے پڑھنا کم از کم ۵۰۰ مرتبہ روز ہر شخص اپنا معمول بنائے اللہ تعالیٰ عمل کی توفیق عطا فرمائے اور اپنے کرم سے اہل پاکستان کو ان مصائب سے نجات عطا فرمائے۔ آمین بحرمۃ نبی الکریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم۔

خلیل احمد تھانوی

۱۱ ربیع الاول ۱۴۴۴ھ

أخبار الجامعة

ماہ جنوری 2023ء

❁ 22 دسمبر 2022ء: آل پاکستان مسابقہ کامل الحفظ (وفاق المدارس العربیہ) پنجاب کے صوبائی مرحلہ اولیٰ کا انعقاد جامعہ دارالعلوم الاسلامیہ کامران بلاک لاہور اور ملتان عیدگاہ بیک وقت 2 جگہ ہوا جبکہ 14 دسمبر 2022ء راولپنڈی کے مضافات کا مسابقہ جامعہ دارالہدیٰ اسلام آباد منعقد ہوا۔ ان تینوں مقامات سے کل 12 طلباء صوبائی حتمی مرحلہ کے لیے منتخب ہوئے جس کا اعلان 22 دسمبر 2022ء نگران اعلیٰ مسابقات حفظ مولانا ڈاکٹر قاری احمد میاں تھانوی مدظلہ العالی مہتمم جامعہ ہٰذا نے فرمایا پھر ان کامیاب طلباء کا حتمی مسابقہ 27 دسمبر 2022ء جامعہ اشرفیہ لاہور ہوا جس میں سے تین پوزیشن ہولڈرز منتخب ہوکر 30 جنوری 2023ء قومی مسابقہ حفظ فیصل مسجد اسلام آباد کے لیے منتخب ہوگئے۔

❁ 25 دسمبر 2022ء: آل پاکستان مسابقہ حفظ صوبہ سندھ کا حتمی مرحلہ جامعہ دارالعلوم کراچی منعقد ہوا جس میں صدر وفاق المدارس مفتی محمد تقی عثمانی زید مجدہٗ ناظم اعلیٰ وفاق مولانا حنیف جالندھری مدظلہ ودیگر اکابرین وفاق المدارس نے شرکت فرمائی مسابقہ کے اختتام پر مولانا ڈاکٹر قاری احمد میاں تھانوی مدظلہ نے پوزیشن ہولڈرز کے ناموں کا اعلان فرمایا۔

❁ یکم جنوری 2023ء: انٹرنیشنل عطر الکلام مسابقہ حسنِ قراءۃ سعودی عرب کے زیر اہتمام جاری ہے جس کی آن لائن ججمنٹ ڈاکٹر قاری احمد میاں تھانوی مدظلہ

فرما رہے ہیں اور سینکڑوں شریک مسابقہ سے دنیا کے ٹاپ 100 قراء کرام کا انتخاب ہوگا اور مرحلہ وار یہ مسابقات جاری رہیں گے جس کا حتمی مرحلہ رمضان المبارک سعودی عرب میں ہوگا اور 10 پوزیشن ہولڈرز کو انعامات سے نوازا جائے گا۔

❁ 14 جنوری 2023ء: حافظ رانا یحی بن رانا عبدالقیوم کی تکمیل حفظ القرآن کی تقریب جامعہ ہٰذا کی برانچ راوی بلاک منعقد ہوئی حضرت مہتمم صاحب مدظلہ نے آخری سبق کہلوا کر تکمیل قرآن کریم فرمائی اور دعائیہ کلمات سے نوازا۔

❁ 18 جنوری 2023: پنجاب قرآن بورڈ کے اجلاس میں حضرت مہتمم صاحب مدظلہ نے شرکت فرمائی اور قرآن کریم کی عمدہ طباعت واشاعت کے اہم اُمور پر قیمتی راہنمائی فرمائی۔

❁ 19 جنوری 2023ء: جامعہ دارالہدیٰ اسلام آباد اور جامعہ تعلیم القرآن راجا بازار راولپنڈی، فیصل مسجد اسلام آباد 30 جنوری منعقد ہونے والے قومی مسابقہ حفظ کے کامیاب انعقاد کے لیے مشاورتی اجلاس ہوئے جس میں قرب وجوار کے مدارس کے مہتممین حضرات نے شرکت فرمائی اور حضرت مہتمم صاحب مدظلہ العالی نے مشاورت سے امور وفرائض تفویض فرمائے اجلاس کے بعد قائد جمعیت علماء اسلام مولانا فضل الرحمن صاحب مدظلہ العالی سے ملاقات فرما کر 30 جنوری 2023ء فیصل مسجد اسلام آبات منعقد ہونے والے قومی مسابقہ حفظ میں بحیثیت مہمان خصوصی شرکت کی خصوصی دعوت دی ہے۔

❁ 21 جنوری 2023ء: اسلامک سکلز سکول گلبرگ لاہور کے طلباء کے مابین مسابقہ حفظ منعقد ہوا جس ججمنٹ کے فرائض ڈاکٹر قاری رشید احمد تھانوی صاحب ناظم

امتحانات جامعہ ہٰذا نے انجام دیئے اور تقریب کے اختتام پر حضرت ڈاکٹر قاری احمد میاں تھانوی مدظلہ مہتمم جامعہ ہٰذا پوزیشن ہولڈرز طلباء کو مبارک باد اور اسکول انتظامیہ کی خدمات کو خراج تحسین پیش کیا اور کامیاب طلباء کو قیمتی انعامات سے نوازا۔

❁ 12 فروری 2023 بروز اتوار صبح 9 بجے جامعہ دارالعلوم الاسلامیہ لاہور میں تکمیل بخاری شریف و تکمیل حفظ القرآن الکریم ،ناظرہ قرآن کریم کی تقریب منعقد ہوگی۔

بخاری شریف کی تکمیل کرنے والے طلباء کی تعداد 40،حفظ القرآن مکمل کرنے والے طلباء کی تعداد 41 اور ناظرہ مکمل کرنے والے طلباء کی تعداد 38 ہے۔

بخاری شریف کے آخری سبق کا درس مولانا ڈاکٹر قاری خلیل احمد تھانوی مدظلہ شیخ الحدیث و نائب مہتمم جامعہ ہٰذا ارشاد فرمائیں گے۔اختتامی کلمات حضرت مولانا ڈاکٹر قاری احمد میاں تھانوی مدظلہ ارشاد فرمائیں گے اور کامیاب طلباء کو انعامات سے نوازیں گے۔

❁❁❁
❁